حضرت حافظ روشن علیؓ نمبر

ایڈیٹر
ابوالعطاء جالندھری

سالانہ چندہ بھارت و پاکستان
چھ روپے

اس نمبر کی قیمت
ایک روپیہ

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کو نہایت شاندار خراج تحسین

امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی تقریر

حضرت حافظ صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ کی وفات والے سال یعنی ۱۹۲۹ء کے جلسہ سالانہ پر ۲۸ ر دسمبر کو تقریر کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے فرمایا کہ:-

"میں سمجھتا ہوں میں ایک نہایت **وفادار دوست** کی نیک یاد کے ساتھ بے انصافی کرونگا۔ اگر اس موقعہ پر حافظ روشن علی صاحب کی وفات پر اظہار رنج و افسوس نہ کروں۔ حافظ صاحب مرحوم نہایت ہی مخلص اور بے **نفس انسان** تھے۔ میں نے اُن کے اندر وہ **روح** دیکھی جسے اپنی جماعت میں پیدا کرنے کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواہش تھی۔ ان میں تبلیغ کے متعلق ایسا جوش تھا کہ وہ کچھ کہلوانے کے محتاج نہ تھے۔ بہت لوگ مخلص ہوتے ہیں کام بھی اچھا کرتے ہیں مگر اس امر کے محتاج ہوتے ہیں کہ دوسرے انہیں کہیں کہ یہ کام کرو تو وہ کریں۔ حافظ صاحب مرحوم کو میں نے دیکھا وہ سمجھتے تھے گو خدا تعالیٰ نے خلیفہ مقرر کیا ہے مگر ہر مومن کا فرض ہے کہ ہر کام کی نگہداشت کرے اور اپنے آپکو ذمہ دار سمجھے۔ وہ اپنے آپکو سلسلہ کا ایسا ہی ذمہ دار سمجھتے تھے جیسا اگر کوئی مسلمان بالکل اکیلا رہ جائے تو (وہ اپنے آپکو ذمہ دار) سمجھے۔ یہ ان میں ایک نہایت ہی **قابلِ قدر خوبی** تھی اور اس کا انکار ناشکری ہوگا۔ یہ خوبی پیدا کئے بغیر جماعت ترقی نہیں کرسکتی کہ ہر شخص محسوس کرے کہ سب کام مجھے کرنا ہے اور تمام کاموں کا میں **ذمہ وار** ہوں۔ میں سمجھتا ہوں ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ اگر مجھے **چالیس مومن** میسر آجائیں تو میں ساری دنیا کو **فتح** کرلوں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک محسوس کرے کہ مجھ پر ہی جماعت کی ساری ذمہ واری ہے اور میرا فرض ہے کہ ساری دُنیا کو فتح کروں۔"

(الفضل ۷ ر جنوری ۱۹۳۰ء)

علامہ حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ

فہرست مضامین

ابو العطاء جالندھری

معذرت | جن دوستوں کے مقالات قلتِ گنجائش کے باعث شاملِ اشاعت نہیں ہو سکے۔ ان سے معذرت خواہ ہوں۔ وہ کسی دوسرے موقعہ کے لئے محفوظ ہیں ——— (ایڈیٹر)

میرے استاد حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ

(از رشحات قلم سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے۔ مدظلہ العالی)

حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم میرے استاد تھے اور جماعت احمدیہ کے علماء کی صف اوّل میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے ذکر سے دل میں بہت سی شیریں یادیں تازہ ہوتی ہیں جن میں لازماً کچھ تلخی بھی ملی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی رُوح کو جنّت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ دے اور جماعت میں اُن کا علمی اور روحانی ورثہ جاری رکھے۔ حضرت حافظ صاحب کا دماغ بہت روشن اور صاف تھا اور گفتگو نہایت واضح اور مدلّل فرمایا کرتے تھے جو سننے والے کے دل میں بیٹھتی چلی جاتی تھی اور پیرایہ بھی بہت دلکش تھا۔ مناظرہ میں بھی حضرت حافظ صاحب کو ید طولیٰ حاصل تھا اور جب مخالف مناظر ان کے دلائل سے گھبرا کر پیچھے ہٹتا تھا تو حافظ صاحب کی بمباری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی گویا حریف کو اس کے گھر تک پہنچا کر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ افسوس ہے کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی طرح حضرت حافظ صاحب صرف سینتالیس برس کی چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے اور دوسری صدمہ کی بات یہ ہے کہ اپنے پیچھے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی مگر کیا ان کے سینکڑوں شاگرد ان رشید ان کی روحانی اولاد نہیں ہیں ؟

آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا تھا اور لمبے عرصہ تک صاحب فراش رہے مگر ہمت کا یہ عالم تھا کہ کسی قدر تخفیف ہوئی پھر درس تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا مگر افسوس ہے کہ فالج کے دوسرے حملہ کے بعد دوبارہ نہ اُٹھ سکے۔

حافظہ غضب کا تھا اور قرآن مجید تو خیر حفظ ہی تھا حدیث اور فقہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے

اکثر حوالے بھی ازبر تھے۔ اگر حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگردوں میں انہیں نمبر اوّل پر شمار کیا جائے تو غلط نہیں ہوگا طبیعت میں مزاح بھی تھا اور گفتگو میں بڑی شگفتگی ہوتی تھی۔ حضرت حافظ صاحب اپنے شاگردوں کے صرف استاد ہی نہیں تھے بلکہ مربی اور ہمدرد بھی تھے اور بے تکلفی کے ساتھ ان کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتے تھے۔ اپنے تبلیغی سفروں میں ہمیشہ ایک یا دو یا زیادہ شاگرد اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ حضرت حافظ صاحب کے تعلیمی اور تدریسی پروگرام کا حصہ ہوتا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ حضرت صاحب کو بہت محبت تھی اور حضور بھی حضرت حافظ صاحب کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ ۱۹۲۴ء کے سفر ولایت میں حضور ان کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اِس عاجز کے ساتھ بھی حضرت حافظ صاحب کو محبت تھی اور مجھے اپنے مستحق شاگردوں کی امداد کے متعلق توجہ دلاتے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ رسالہ الفرقان کے موجودہ ایڈیٹر محترم مولوی ابو العطاء صاحب کے متعلق ان کی طالب علمی کے زمانہ میں فرمایا کہ یہ نوجوان خرچ کے معاملہ میں کچھ غیر محتاط ہے مگر بڑا ہونہار اور قابلِ توجہ اور قابلِ ہمدردی ہے۔ کاش اگر حضرت حافظ صاحب اِسوقت زندہ ہوتے تو محترم مولوی ابو العطاء صاحب اور محترم مولوی جلال الدین صاحب شمس کے علمی کارناموں کو دیکھ کر انکو کتنی خوشی ہوتی کہ میرے شاگردوں کے ذریعہ میری یاد زندہ ہے "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"۔ اِس عاجز کو جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آخری زمانہ اور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی خلافت کا ابتدائی زمانہ جب کہ حضور اپنی صحت اور اپنی تبلیغی اور تربیتی گرم جوشی کے جوبن میں تھے اور ہم لوگوں کی طاقتیں بھی جوان اور خون گرم تھا یاد آتا ہے تو کیا بتاؤں کہ دل پر کیا گزرتی ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ:-

دل میں اِک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانئے کیا یاد آیا

خاکسار راقم آثم
مرزا بشیر احمد
۲۶/۱/۶۰

چند محبّت بھری یادیں!

اپنے محبوب اُستاد حضرت حافظ روشن علی رضی اللہ عنہ کا ذکر

(از قلم ابُو العطاء جالندھری)

نیک، ہمدرد اور خیر خواہ عالم استاد ایک عظیم نعمت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ مجھے اپنی دینی تعلیم کے آغاز سے ہی بہترین اساتذہ میسّر آئے۔ وہ ساعت کس قدر مبارک ساعت تھی جب میرے والد محترم حضرت میاں امام الدین صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ نے میری زندگی وقف کی اور مجھے حضرت چودھری غلام احمد صاحبؓ آف کریام ضلع جالندھر کی معیت میں قادیان لے گئے اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ سے مشورہ کے بعد انہوں نے مجھے مدرسہ احمدیہ میں داخل کرایا۔ اس وقت حضرت میرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی مدرسہ احمدیہ کے افسر تھے۔ مجھے تو وہ سارا واقعہ یاد ہونا ہی تھا مگر کیسی پیاری بات ہے کہ حضرت میاں صاحب سلمہٗ ربّہٗ کو بھی وہ کمرہ اور وہ منظر ابتک یاد ہے اور کچھ عرصہ قبل آپ نے اس "واقعہ" کے سماں کا بڑے پیارے الفاظ میں مجھ سے تذکرہ فرمایا تھا۔

مدرسہ احمدیہ کے آٹھ سالہ دور تعلیم میں مجھے اپنے قابلِ صد احترام اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا جن میں سے حضرت پیر مظہر قیوم صاحب مرحوم، حضرت ماسٹر مولا بخش صاحب مرحوم، حضرت قاری غلام یاسین صاحب مرحوم، حضرت ماسٹر محمد طفیل صاحب مرحوم، حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیر مرحوم، حضرت مولانا غلام نبی صاحب مصری مرحوم، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری مرحوم، حضرت میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم، حضرت قاضی امیر حسین صاحب مرحوم، حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب مرحوم، نیز جناب مرزا برکت علی صاحب، جناب مولوی ارجمند خان صاحب اور جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل امیر جماعت احمدیہ قادیان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان بزرگ ربّانی علماء اور دردمند اساتذہ کی تعلیم و تربیت نے طلبہ کو علمی اور عملی زندگی میں بیش بہا فائدہ پہنچایا ہے۔ میں تو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے قول "من علمنی حرفاً صرت لہٗ عبداً" کا قائل ہوں اسلئے ہمیشہ اپنے اساتذہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کرتا ہوں اور ان میں سے زندہ اساتذہ کی درازیٔ عمر کے لئے دعاگو ہوں۔ جزاھم اللہ خیراً۔

مدرسہ احمدیہ کی آٹھویں جماعت مولوی فاضل تھی۔ اسی جماعت میں پنجاب یونیورسٹی کا مولوی فاضل کا امتحان دیا جاتا تھا۔ ہم نے ۱۹۲۴ء میں یہ امتحان دیا۔ اسی سال حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ نے یورپ کا پہلا تبلیغی سفر کیا۔ اس سفر میں حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ بھی حضور کے ہمرکاب تھے اور بطور انچارج ڈاک بھی کام کرتے تھے۔ اسی دوران میں ہمارا مولوی فاضل کا نتیجہ شائع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں پنجاب یونیورسٹی میں اوّل آیا۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں لکھا کہ اوّل آنے کی وجہ سے مجھے یونیورسٹی کی

طرف سے انگریزی کی تکمیل کے لئے تیس روپے ماہوار وظیفہ مل سکتا ہے ۔ اگر حضور کا ارشاد ہو تو میں وہاں داخل ہو جاؤں۔ میری اس چٹھی کا جواب حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کے دستخطوں سے موصول ہؤا جس میں لکھا تھا کہ حضور فرماتے ہیں کہ :-

"جسے ہم مسیحا نفس بنانا چاہتے ہیں اسے تیس روپے میں گرفتار کرانے کے لئے تیار نہیں "

مولوی فاضل کے امتحان کے بعد مجھے چند ماہ تک نظارت تصنیف میں کام کرنے کا موقعہ ملا اور پھر استاذنا المحترم حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کے پاس مبلغین کلاس میں داخل ہو گیا ۔ ہم سے پہلے مولوی جلال الدین صاحب والی کلاس پاس ہو چکی تھی ۔ مبلغین کلاس درحقیقت تبلیغی ٹریننگ کی کلاس تھی اور اکیلے حضرت حافظ صاحب ہی اس کے جملہ مضامین پڑھانے والے واحد استاد تھے جن محبت، خلوص اور جذبہ خدمت دین کے ماتحت یہاں تعلیم تھی وہ نرالی چیز تھی ۔ استاد استاد نہ تھا انتہائی شفیق والد تھا ۔ پھر کیا تھا، نہ وقت کی قید تھی نہ مکان کی پابندی ۔ مسجد ہو، بازار ہو، جنگل ہو یا آبادی ہر جگہ مدرسہ تھا اور ہر گھڑی سلسلہ تدریس شروع تھا ۔ اب پڑھائی بوجھ نہ تھی بلکہ روح کیلئے غذا تھی ۔ حضرت حافظ صاحب کے پاس بطور متعلم آنے سے پیشتر بھی میں مضامین لکھتا تھا، تقریریں کرتا تھا اور مباحثات بھی کیا کرتا تھا ۔ مگر اب تو دن رات کا یہی مشغلہ تھا اور پھر اس پر حضرت حافظ صاحب کی حوصلہ افزائی اور علمی رہنمائی بہت ہی بابرکت چیز تھی ۔ ایک دن ہمارے بزرگ استاد شیخ الحدیث حضرت قاضی امیر حسین صاحب جبکہ میں حکیم نظام جان صاحب کی دکان میں ان کی خدمت میں حاضر ہؤا مجھے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ اب سب لوگ کہتے ہیں کہ تم حافظ روشن علی رض کے شاگرد ہو ہماری استادی کدھر گئی ؟ پنجابی الفاظ کیا ہماری استادی "گھرل" ہو گئی ہے ؟ فرماتے تھے ؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ! ہم تو پہلے آپ کے شاگرد ہیں لوگ اگر ایسا کہتے ہیں تو یہ ان کی غلطی ہے ۔ بلاشبہ ہم سب اساتذہ کے شاگرد ہیں اور ان کے احسانوں کا بدلہ نہیں دے سکتے مگر جو رنگ حضرت حافظ روشن علی صاحب رض کا تھا وہ اپنی جاذبیت، وسعت اور پائداری میں بالکل نادر تھا ۔ اسلئے درحقیقت لوگ بھی حق بجانب تھے اور طلبہ بھی غیر معمولی لگاؤ کے لئے مجبور تھے ۔

ہمارے شیخ حضرت حافظ صاحب رض کی طبیعت کو دو باتوں سے چڑ تھی ۔ اوّل یہ کہ طالب علم چھٹی کا مطالبہ کریں ۔ دوسرے یہ کہ کوئی طالب علم تکلف اور بیگانگت اختیار کرے ۔ بارہا ایسا ہؤا کہ کسی تقریب پر دوسرے اداروں یا سکولوں میں چھٹی ہو جاتی اور ہماری کلاس سارا دن لگی رہتی تھی ۔ جب ہم نے کہنا کہ آج چھٹی کر دیں تو فرماتے کہ میاں مرنے کے بعد بہت چھٹیاں ملیں گی اب تو کام کر لو ۔ تکلف سے آپ کی طبیعت کوسوں دور تھی ۔ چنانچہ ہمیں اپنے استاد سے پوری بے تکلفی حضرت حافظ صاحب رض کی شاگردی میں ہی حاصل ہوئی ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بعض دفعہ گھریلو معاملات کے متعلق بھی آزادانہ سوالات ہو جاتے تھے ۔ ایک دن میں نے کلاس میں ہی پوچھ لیا کہ حضرت ! آپ کو دو بیویوں کا تو بہت آرام ہوگا ؟ (یاد رہے کہ ہم متعلمین میں سے اکثر شادی شدہ تھے اور میری شادی تو مدرسہ احمدیہ کے تعلیمی ایام میں ہی ہو چکی تھی) حضرت حافظ صاحب رض نے بے تکلف فرمایا کہ دو بیویوں میں ہر وقت مسافر بننا پڑتا ہے ۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ میں نے ایک اچھا انتظام کر رکھا ہے کیونکہ ہر گھر میں ایک دن گوشت اور ایک دن دال پکتی ہے ۔ اور ہر گھر میں میری باری اس دن آتی ہے جب وہاں گوشت پکتا ہے ۔ ایک دن اسی طرح ابتدائی دنوں میں میں نے ناواقفیت کی بناء پر پوچھ لیا کہ حضرت ! آپ کے لڑکے کتنے ہیں ؟ مجھے اپنے ساتھی سے فوراً سن کر کہ آپ کا کوئی لڑکا نہیں اپنے اس سوال پر شرمندگی ہو رہی تھی اور خیال تھا کہ شاید ہمارے محبوب استاد کے دل کو اس سوال سے صدمہ پہنچے گا ۔ مگر قربان جائیں اس

پیاری ادا پر کہ آپ نے بغیر کسی ملال کے بے ساختہ ہماری طرف ہاتھ بڑھا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :-

"تم سب میرے بیٹے ہو"

ہم نے فوراً کہا - بالکل سچ - بالکل درست -

دہلی میں جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ تھا میں حضرت حافظ صاحبؓ کے ساتھ تھا اور یہ میری تعلیم کے آخری مہینے تھے - وہاں پر ہی مرکز سے حکم آگیا کہ سانڈھن میں بھی جلسہ ہے حافظ صاحبؓ وہاں بھی تشریف لے جائیں - آپ کی طبیعت علیل ہو گئی تھی آپ نے فرمایا کہ تم میری جگہ سانڈھن سے ہو آؤ - پھر دہلی سے اکٹھے واپس ہوں گے - میں کچھ ہچکچایا تھا - میرے پاس اور صاف کپڑے بھی نہ تھے - آپ نے اسے محسوس کر لیا - فوراً اپنی وہ سبز پگڑی جو سفر یورپ کے وقت آپ نے پہنی تھی مجھے دیدی اور کہا کہ یہ پگڑی پہن کر میری نیابت کر آؤ - میں سانڈھن گیا جلسہ اچھا ہو گیا - میں نے دہلی پہنچ کر پگڑی واپس دینا چاہی آپ نے فرمایا کہ اپنے سر پر ہی رہنے دو - اور خود دوسری سبز پگڑی پہن لی - واپسی پر ایک رات حضرت ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب مرحوم کے مکان میں (جو اُن دنوں ہم سب کے لئے لنگر خانہ کی حیثیت رکھتا تھا) ٹھہرے - مکرم جناب ڈاکٹر محمد منیر صاحب نے میری سبز پگڑی دیکھ کر حضرت حافظ صاحبؓ سے مذاقاً پوچھا کہ حافظ صاحب! یہ مولوی صاحب کی دستار بندی کی ہے ؟" آپ نے اثبات میں جواب دیا - قادیان پہنچ کر دوسرے روز میں پگڑی تہ کر کے واپس کرنے کے لئے مکان پر پہنچا تو فرمانے لگے کہ تم نے میرا وہ جواب نہیں سنا تھا جو میں نے ڈاکٹر محمد منیر صاحب کو دیا تھا ؟ میں نے عرض کیا وہ تو دل لگی کی بات تھی - فرمایا نہیں نہیں اب اسے دستار بندی ہی سمجھو اور اب تم اسے پہنے رہو - چنانچہ پھر میں نے وہ پہلی سبز پگڑی پہنی اور بعد ازاں عرصہ تک سبز پگڑی ہی پہنتا رہا -

تعلیمی ایام کا ہی واقعہ ہے کہ ہم گوجرہ میں جلسہ کیلئے گئے - خوب زوردار تقریریں کیں - میرا گلا بیٹھ گیا - مرکز سے حضرت حافظ صاحبؓ کے نام تار آیا کہ قصور میں عیسائیوں سے مقابلہ ہے ابوالعطاء کو وہاں بھیج دیں - آپ نے جواباً تار دیا کہ اس کا گلا خراب ہے کوئی اور انتظام کیا جائے - واپسی پر لاہور میں جمعہ کی نماز پڑھی تو وہاں پر حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر نائب ناظر دعوۃ و تبلیغ نے حضرت حافظ صاحبؓ سے میرے بارے میں اجازت لے لی کیونکہ اب میرا گلا بھی دو دن کے وقفہ سے اچھا ہو گیا تھا - نیز مولانا نیر صاحبؓ نے مجھے بتایا کہ قصور میں حضرت مولوی غلام رسول صاحب بھی ہوں گے - میں حضرت حافظ صاحبؓ کو قادیان کے لئے لاہور ریلوے سٹیشن پر گاڑی میں بٹھانے گیا - آپ کا بستر میں نے اٹھایا ہوا تھا - میں نے باتوں باتوں میں کہہ دیا کہ فکر کی کوئی بات نہیں قصور میں مولانا راجیکی صاحب بھی ہوں گے - میرا یہ کہنا تھا کہ حضرت حافظ صاحبؓ نے غضبناک لہجہ میں کہا کہ اگر یہ بات ہے تو تم اپنا سامان بھی لے آؤ اور میرے ساتھ قادیان چلو قصور جانے کی ضرورت نہیں - تم مولوی راجیکی صاحب پر تکیہ کرتے ہو اور اپنے آپکو ذمہ دار نہیں سمجھتے - میں نے فی الفور کہا کہ نہیں حضرت میں اپنے آپکو ہی ذمہ دار سمجھونگا اور تکیہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرونگا - حضرت حافظ صاحبؓ کے چہرہ پر بشاشت بھی کہنے لگے ہاں یہ بات ہے - میرے شاگرد ایسے ہی ہونے چاہئیں - اب بے شک جاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا -

حضرت حافظ صاحبؓ میں دین و سلسلہ کے لئے بڑی غیرت تھی ہم قریباً روزانہ صبح کی نماز کے بعد سیر کیلئے جایا کرتے تھے - ایک دن مکرم مولوی ظہور حسین صاحب سابق مبلغ بخارا بھی سیر میں شریک تھے - ان دنوں "فتنہ مستریان" شروع تھا - مولوی صاحب نے حضرت حافظ صاحبؓ سے کہا کہ عبدالکریم آپ کا شاگرد رہا ہے آپکے کہنے کا وہ لحاظ کریگا آپ اسے سمجھائیں - حضرت حافظ صاحبؓ نے فرمایا کہ میں یہ بے غیرتی نہیں کر سکتا - جس شخص نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ ایسے محسن کا لحاظ نہیں کیا

میں اسے ہرگز منہ لگانا پسند نہیں کرتا میں اس سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ دین کے لئے غیرت کے ہزاروں واقعات ہیں۔

آپ کی خدمات دینیہ بے شمار ہیں۔ ہم نے ان کا تدریس کا غیر معمولی شوق کسی اور میں نہیں دیکھا۔ مجھے انہوں نے مقررہ نصاب کی کتابوں کے علاوہ بھی متعدد کتابیں علیحدہ اوقات میں پڑھائی ہیں۔ درثمین فارسی اور منہاج السنۃ لابن تیمیہ اسی ذیل میں شامل ہیں۔ سفر و حضر میں سلسلہ تدریس جاری رکھتے تھے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی پیاری ذہانت عطا کی تھی۔ آپ کو ہر وقت بڑا عمدہ لطیفہ سوجھتا تھا۔ ایک دفعہ محلہ دارالرحمت میں بابو غلام حیدر صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ بھی شمولیت فرمانے والے تھے سلسلہ کے ایک غیر معمولی کام کے باعث آپ بارہ بجے کی بجائے قریباً دو بجے بعد دوپہر تشریف لا سکے ہم سب انتظار میں بیٹھے تھے حضور مسکراتے ہوئے کمرہ میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ آج ضروری کاموں کے باعث دیر ہی ہو گئی ہے۔ اس پر حضرت حافظ صاحبؓ نے بے ساختہ مگر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ حضور! کوئی دیر نہیں ہوئی آپ کے تشریف لانے سے اب وقت شروع ہوا ہے کیونکہ آپ تو ابو الوقت ہیں۔ ہم لوگ جو ابن الوقت تھے بارہ بجے سے یہاں بند ہے بیٹھے ہیں۔ اس پر ساری مجلس میں ہنسی کی لہر دوڑ گئی حضور بھی ہنس پڑے۔

حضرت حافظ صاحبؓ کی خدمت کو سب طلباء اپنی سعادت سمجھتے تھے اور حضرت حافظ صاحبؓ نے طلبہ کی ہمدردی اور اعانت کو اپنا مذہب قرار دے رکھا تھا۔ آپ اس شاگرد سے بہت خوش ہوتے تھے جو خدمت دین کو اپنا شعار بنا لے آپ نے اپنی بیماری میں آخری وصیت یہی کی تھی کہ "میرے شاگرد ہمیشہ تبلیغ کرتے رہیں"۔ اس سے اس روح کا پتہ لگتا ہے جو حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کے مدنظر تھی۔

آپ کی وفات کے بعد سنہ ۳۲ء میں مجھے اللہ تعالیٰ نے تفہیمات ربانیہ کے تصنیف کرنے کی توفیق بخشی۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی اجازت سے اس کتاب کا انتساب حضرت حافظ صاحب موصوف کی طرف کیا۔ اور اس کے اوپر لکھا کہ:۔

"میں اس کتاب کو اپنے اخلاص، عقیدت اور تلمذ خاص کے لحاظ سے استاذی المکرم حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ ادام فیوضہ کے نام نامی و اسم گرامی سے معنون کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں۔

نیازمند۔ ابو العطاء"

محبوب استاد کی باتیں تو ہزاروں ہیں خلاصہ یہی ہے کہ آپ ایک **مثالی عالم ربانی** تھے۔ عبادت میں انہماک رکھنے والے اور ملہم و صاحب کرامات بزرگ تھے۔ تھوڑا عرصہ ہوا میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ بہت سی باتیں ہوئیں۔ آخر میں میں نے ان سے پوچھا کہ "حضرت! جس جگہ آپ ہیں کیا وہاں پر کبھی میرا بھی ذکر ہوا ہے؟" آپ نے فرمایا کہ "ہاں وہاں آپ کا اچھا ذکر ہوتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے پیارے استاد حضرت حافظ روشن علی رضی اللہ عنہ کو جنت الفردوس میں بلند سے بلند مقام عطا فرمائے اور ہمارے دوسرے بزرگ اساتذہ کے درجات بھی بلند کرے اور ہم سب کو ان نیک بزرگوں کے نمونہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کی توحید اور جملہ انبیاء علیہم السلام کے مقاصد عالیہ کو زمین میں پھیلانے کی توفیق بخشے اور وہ ہم سے راضی ہو جائے۔

اللّٰھم آمین یا رب العالمین

حضرت حافظ صاحبؓ کا ایک دلچسپ واقعہ

(از قلم سیّدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ)

لاہور

۱۷ نومبر ۱۹۵۶ء بوقت شب

برادرم مکرم مولوی صاحب

السلام علیکم ۔ ۱۴ کا خط آج ملا ۔ حضرت سیدنا بھائی صاحب کے یہاں ہونے کے سبب سے دن میں لکھنے کی فرصت نہ ملی ۔ کیونکہ میں پہلے ہی لکھنا چاہ رہی تھی اب اس وقت لکھ رہی ہوں ۔ حافظ روشن علیؓ کی بابت الفضل میں تحریک پڑھ کر پہلے ہی مجھے خیال ہوا تھا اور میں نے "خالد" یعنی عزیزی عبدالرحیم خاں (جن کو آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام انّک انت المجاز کے تعارف سے غائبانہ تو ضرور جانتے ہوں گے) کو لکھا تھا کیونکہ ان کو حافظ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور حافظ صاحب کو ان سے بہت محبت تھی ۔ چونکہ یہ بات میرے علم میں تھی ۔ مجھے خیال آگیا اور ان سے کچھ تاثرات اور حالات ان کے لکھنے کی تاکید کی ۔ انہوں نے جو کچھ قلم برداشتہ لکھ دیا ہے وہ بذریعہ برادر عزیز میر داؤد احمد ارسال کیا ہے ۔ نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں ایک شاگرد کے تاثرات ہیں اس کو عالمانہ نظروں سے نہ پرکھیں ایسی چیزیں بسا اوقات زیادہ اثر رکھتی ہیں ——— ایک واقعہ حافظ صاحب مرحوم و مغفور کا مجھے بھی یاد آگیا میری شادی سے بہت پہلے سے حافظ صاحب میرے میاں "نواب صاحب" مرحوم کے پاس تھے ۔ میاں کو ان سے بہت محبت تھی اور بہت ہی عزت ان کی ان کے دل میں تھی ۔ نام کی تو ملازمت تھی ورنہ برتاؤ ایسا تھا جیسا کہ ایک بزرگ استاد سے ہو سکتا ہے ۔ وہ ان کو کسی طرح چھوڑنا نہ چاہتے تھے نہ حافظ صاحب ان کو رنجیدہ کر کے الگ ہونا پسند کرتے تھے ۔ مگر آخر میں چند سال پہلے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے بہت اصرار پر میاں نے ان کو سلسلہ کی خدمت کے لئے فارغ کر دیا تھا لیکن تعلق برابر قائم رہا ۔

ایک دفعہ ہم مالیر کوٹلہ میں تھے کہ میاں کی ہمشیرہ بو فاطمہ بیگم (جو اس وقت تک شیعہ تھیں ۔ بعد میں بھائی کی مسلسل تبلیغ اور دعاؤں سے خدا تعالیٰ نے ان کو احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق بخشی ۔) ایک دن نان اور دیگ کا پکا ہوا کھانا ساتھ لے کر آئیں ۔ محرم کے ایام تھے اور کہا کہ امام حسین علیہ السلام کی نیاز کی دیگ کا کھانا چونکہ بہت خاص مزے کا ہوتا ہے میں نے تمہاری خاطر کہ تم نیاز وغیرہ نہیں کھاتے اس میں الگ نیت کا گوشت ، گھی ، مصالحہ ڈلوا کر اسی دیگ میں پکوا لیا ہے کہ تم اور بچے کھا لو ۔

میاں ان معاملات میں بے حد محتاط تھے ۔ انہوں نے کہا یہ ہم ہرگز نہیں کھا سکتے ۔ وہ ان پر ناراض ہونے لگیں کہ تم تو بہت سخت ہو ۔ اچھا میں حافظ جی سے پوچھ لیتی ہوں ۔ انہوں نے مسکرا کر کہا ۔ اچھا آپ بے شک ان سے بھی دریافت کر لیں ۔ بو فاطمہ بیگم نے

ایک لڑکے کو حافظ صاحب کے پاس باہر بھیجا کہ اس طرح نیاز کی دیگ میں الگ سامان ملا کر پکا ہوا کھانا بھی کیا جائز نہیں ہے؟

حافظ صاحبؓ نے جواب میں کہلایا کہ بوصاحب سے کہدو "اگر سؤر کے گوشت کے ساتھ اسی ہنڈیا میں پکی ہوئی مرغی جائز سمجھ کر کھا سکتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے"۔ میاں مرحوم اور سب ہنسنے لگے اور بوصاحبہ بہت خفا ہوئیں کہ حافظ جی نے امام کی نیاز کی ہتک کی ہے یہ بہت بُری بات ہے وغیرہ۔

غرض حافظ صاحب بہت صاف گو بھی تھے اور ایک لطیف مزاح بھی ان کی بات میں شامل ہوتا تھا۔

کیا اچھے دن تھے ہمارے گھر میں سفر و حضر میں حافظ جیؓ، بھائی جیؓ، میر عنایت علیؓ، ڈاکٹر محمد اسمعیل مرحومؓ جیسے لوگ رہا کرتے اور مردانہ میں ایک بابرکت رونق لگی رہتی تھی۔

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

فقط

مبارکہ

حضرت مسیح موعودؑ کے کلمات طیبات

بعثت کی غرض

"پیارو یقیناً سمجھو کہ خدا ہے اور وہ اپنے دین کو فراموش نہیں کرتا۔ بلکہ تاریکی کے زمانہ میں اسکی مدد فرماتا ہے مصلحتِ عام کے لئے ایک کو خاص کر لیتا ہے اور اس پر علوم لدنیہ کے انوار نازل کرتا ہے۔ سو اُسی نے مجھے جگایا اور سچائی کے لئے میرا دل کھول دیا۔ میری روزانہ زندگی کا آرام اسی میں ہے کہ میں اسی کام میں لگا رہوں۔ بلکہ میں اسکے بغیر جی ہی نہیں سکتا کہ میں اس کا اور اس کے رسول کا اور اس کی کلام کا جلال ظاہر کروں۔ مجھے کسی کی تکفیر کا اندیشہ نہیں اور نہ کسی کی پروا۔ میرے لئے یہ بس ہے کہ وہ راضی ہو جس نے مجھے بھیجا ہے۔ ہاں میں اس میں لذت دیکھتا ہوں کہ جو کچھ اس نے مجھ پر ظاہر کیا وہ میں سب لوگوں پر ظاہر کروں اور یہ میرا فرض بھی ہے کہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ دوسروں کو بھی دوں اور دعوتِ مولیٰ میں اُن سب کو شریک کر لوں جو ازل سے بُلائے گئے ہیں۔ میں اس مطلب کے پورا کرنے کیلئے قریباً سب کچھ کرنے کے لئے مستعد ہوں اور جانفشانی کے لئے راہ پر کھڑا ہوں لیکن جو امر میرے اختیار میں نہیں میں خداوند قدیر سے چاہتا ہوں کہ وہ آپ اس کو انجام دیوے۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۱۶ طبع پنجم)

حضرت حافظ روشن علی رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ زندگی

(از قلم جناب نواب زادہ میاں عبدالرحیم خان صاحب خالد بار ایٹ لاء)

[ذیل کا پُرکیف مقالہ ایک بے تکلف شاگرد کے تاثرات کا مرقع ہے جو جناب نواب صاحب ممدوح نے مالیر کوٹلہ سے لکھ کر الفرقان کے اِس خاص نمبر کے لئے ارسال فرمایا ہے اور لفافہ پر لکھا ہے کہ "مَیں ایسے پیارے انسان کے بارے میں صفحے کے صفحے لکھ سکتا ہوں لیکن میری آنکھوں میں تکلیف ہے زیادہ لکھنا مشکل ہے"۔ فجزاہ اللہ خیراً ــــــــ (ایڈیٹر)]

شاید ۱۹۰۴ء کا واقعہ ہے جب میری ابتدائی تعلیم ختم ہوئی۔ پیر منظور محمد صاحب مرحوم نے قرآن شریف ختم کرایا اور ان کی رسمی رخصتی کے طور پر مجھے دھندلا سا خیال ہے کہ قادیان میں ہمارے نہایت ابتدائی کچے مکان میں چند دیگیں چڑھی ہوئی نظر آئیں اور کچھ سو روپے اور ایک دوشالہ پیر صاحب مرحوم کو پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ایک صاحب ٹھوڑی پر دو ایک بال، دُبلے پتلے، موٹے سے کُرتے اور دھوتی میں ملبوس آئے اور ہمیں یعنی میرے منجھلے بھائی عبداللہ خان اور مجھے بتلایا گیا کہ یہ حافظ صاحب ہیں اور ہمیں قرآن شریف حفظ کرائیں گے۔ پہلے دن ہمارے والد صاحب نے حافظ صاحب کو ہدایت دی کہ انکو ہر روز ایک ایک آیت حفظ کرا دیا کریں۔ مجھے خوب یاد ہے والد صاحب نے اِن الفاظ میں اپنے خیال کا اظہار فرمایا کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے اسلئے مَیں بھی چاہتا ہوں کہ یہ بھی اگر اتنی مدت میں قرآن شریف حفظ کر لیں اس سے اوّلاً ایک سنت کی تکمیل ہوتی ہے دوسرے ان پر بے جا بار نہ پڑیگا۔ والد صاحب کا خیال تھا کہ دینی و دنیوی تعلیم ایک ساتھ جاری رہے۔ تو والد کے اِس خیال کے تحت میرا واسطہ تلمذ حافظ روشن علی صاحب سے قریباً سنہ ۱۹۱۲ء تک جب مَیں انگلینڈ بغرضِ تعلیم روانہ ہوا تو گو اس سے قبل میرے زمانۂ کالج میں بھی وہ سلسلہ کسی قدر ٹوٹ چکا تھا مگر موسم گرما کی تعطیلات میں حفظ کئے ہوئے حصۂ قرآن شریف کا دَور ہوا کرتا تھا۔ بہرحال یہ کافی طویل عرصہ ہے جس میں مجھے حافظ صاحب مرحوم کے ابتدائی حالات کے معلوم کرنے کا خود ان کی زبانی اور ان کے اخلاق کردار کا چشم دید موقع ملا۔ آپ نے قرآن شریف حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی سے حفظ کیا تھا۔ اس کے بعد بقیہ دینی علوم خلیفہ اوّل حضرت مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ سے حاصل کئے۔

حافظ صاحبؓ تقریباً نابینا تھے۔ ایک آنکھ میں تو قطعی روشنی نہیں تھی، دوسری آنکھ بھی کچھ زیادہ بینا نہیں تھی۔ وہ راستہ دیکھ سکتے تھے، قریب سے شکل بھی بخوبی پہچان سکتے تھے مگر لکھنے پڑھنے سے عاری تھے۔ ہاں ان کی قوتِ حافظہ اس قدر محیّر العقل تھی کہ قرآن شریف کے علاوہ احادیث یا جو کچھ بھی علوم انہوں نے حضرت مولانا کے روزانہ درس میں سُنے وہ تقریباً تمام ان کو حفظ تھے۔ خطبۂ الہامیہ شاید انہوں نے دو بار پڑھوا کر سُنا یا ہوگا وہ تمام ان کو حفظ تھا۔ حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ

کے ممتاز ترین شاگرد تھے۔ حضرت مولانا کا اس قدر ادب کیا کرتے تھے کہ جس طریق سے وہ ان کے روبرو بیٹھ جاتے پھر مجال ہے وہ کوئی حرکت کریں۔ اسی طرح سے مؤدبانہ بیٹھے رہا کرتے تھے۔

یہ واقعہ انہوں نے متعدد بار بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ دیگر شاگردوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے حضرت مولانا سے درس حاصل کر رہے تھے کہ اچانک ان کو بھوک لگی جو دو تین گھنٹہ کے عرصۂ درس و تدریس میں اس نوبت کو پہنچ گئی کہ آپ بھوک سے بے حال ہو گئے۔ مگر وہ زمانہ استاد شاگرد کے درمیان ایک خاص ادب اور کمال محبت کے تعلق کا تھا۔ حافظ صاحبؓ نے اسے سوء ادب خیال کیا کہ وہ اس علمی مجلس سے نکل کر گھر جائیں اور کھانا کھا کر واپس آئیں۔ آپ نے فرمایا میں نے دعا کی اور اس وقت ان پر ایک کشفی حالت طاری ہو گئی۔ کوئی غیب سے کھانا لایا انہوں نے کھایا۔ وہ کشفی حالت دور ہونے پر آپ اسی مجلس میں جیسا کہ پھر آموجود ہوئے اور آپ نے محسوس کیا کہ ان کا پیٹ بھر گیا ہے اور بھوک کی وجہ سے عام قوت جو زائل ہو رہی تھی پھر سے عود کر آئی۔ اب وہ اس درس میں معمولاً حصہ لینے کے قابل تھے۔

حافظ صاحب کو ہم حافظ جی کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ مجھ سے ان کو خاص محبت تھی۔ شاید اسلئے کہ میں دوسرے بھائیوں سے چھوٹا تھا اور بہت عرصہ تک مجھ میں بچپن رہا۔ وہ ہم بھائیوں کو ناک کے اوپر کے حصہ پر دو انگلیاں رکھ کر دبا کر دیکھا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جب انسان بالغ ہو جاتا ہے اس کی ناک کے اوپر کے حصہ کی ہڈی پیٹ کر دو ہو جاتی ہے اور انگلیوں سے دبانے سے وہ پھٹی ہوئی محسوس ہو جاتی ہے۔ میرے ہر دو بڑے بھائی عبدالرحمٰن خان اور عبداللہ خان کو اپنے تجربہ کے لحاظ سے بالغ قرار دیا اور اس کے کافی عرصہ کے بعد مجھے بالغ قرار دیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد ان کی نصائح کا رُخ بدل گیا اور جو ضروری نصائح ایک نوجوان کے لئے کارآمد اور مفید ہو سکتی تھیں انہوں نے ایک عزیز اور دوست کی طرح نہایت بے تکلفی سے مجھے کیں بلکہ یہاں تک کہ جو جھجک ایک بچے کو بزرگ سے ایسی بات چیت میں بالعموم ہوتی ہے وہ انہوں نے بالکل دُور کر دی تھی۔ مجھے یاد ہے جو بات مجھے سمجھ میں نہیں آتی تھی وہ نہایت بے باکی سے میں ان سے دریافت کر لیا کرتا تھا جس کا مجھے بہت فائدہ میری مابعد زندگی میں ہوا۔ بہت زیادہ بچپن کے زمانہ میں حافظ صاحبؒ کی گستاخی بھی کر لیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے پڑھاتے پڑھاتے مجھے ہلکا سا مارا تو میں نے اُن کے ہاتھ کو کاٹ لیا۔ ان کی جلد بہت نازک تھی ہاتھ سے خون بہنے لگا۔ ڈرانے کے طور پر شیخ عبدالرحیم صاحب جو ہمارے اُردو اور حساب وغیرہ کے ٹیوٹر تھے، جن کو ہم بھائی جی کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ ان سے والد کے پاس شکایتی چٹھی لکھوایا کرتے تھے اور نہایت سنجیدگی اور کچھ غصہ کی جھلک اُن کے چہرے پر ہُوا کرتی تھی بڑے بڑے موٹے الفاظ خط میں لکھوایا کرتے تھے مگر مجھے یاد نہیں وہ شکایتی چٹھی کسی وقت بھی والد کو پہنچی ہو۔ اُن کو جیب میں تو ڈالتے دیکھا مگر اس کا حشر کیا ہوا خدا کو ہی معلوم ہے۔ اغلباً وہ بعد میں پھاڑ دی جاتی ہو گی۔ ان کا غصہ ہرگز دیرپا نہیں ہُوا کرتا تھا دوسرے دن پھر وہی محبت اور بے تکلفی۔

موسم سرما میں بالعموم میں اُن کی لوئی کھینچ کر اپنے اوپر لے لیا کرتا اور وہ بے چارے اسی طرح سردی میں بیٹھے رہتے تھے۔ لیکن کبھی انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میری لوئی اِدھر کرو مجھے سردی لگ رہی ہے۔

شہر کے اندر ہمارے پختہ مکان کے بیرونی دروازے کے قریب ایک دو کمرے تھے جن کے اردگرد والد نے ایک کمپونڈ وال (Compound wall) کھینچ دی تھی

اس میں وہ رہا کرتے تھے۔ بعض وقت ہم تینوں بھائی مُصر ہوتے کہ ہم تو حافظ جی سے مولی بھرے پراٹھے کھائیں گے چنانچہ بلا چون و چرا وہ ہمارے کمروں سے جو آپ کے گھر سے چند ہی قدم پر تھے اُٹھ کر جاتے اور چند منٹوں میں گرما گرم پراٹھے گھی سے تجڑتے ہوئے جیسا بچے جاتے ان کی بیگم صاحبہ بھیجتی رہتیں۔ بچپن کی بھوک چار پانچ کھانے والے! ـــــ میں سمجھتا ہوں جس کی تنخواہ صرف ۵ ماہانہ ہو اور فیاضی کا یہ عالم کہ انہوں نے کبھی اپنی زبان سے نہیں فرمایا بس اب کافی آچکے ہیں اور نہ بھیجو ہم ہی ہاتھ اٹھالیں تو بس ہو جاتی۔

پھر یہ وہ بشاشت اور خوشی جس سے انقباض کا شبہ تک پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ تنخواہ کے اضافہ کا کم و بیش ہر ایک نے مطالبہ کیا مگر حافظ صاحبؓ نے مجھے یاد نہیں کبھی والد کو اضافۂ تنخواہ کے لئے مجبور کیا ہو۔ مجھے یاد ہے ان کی تنخواہ ایک طویل عرصہ تک ۳۰ ماہانہ رہی مگر بالبعد بڑھتے بڑھتے ان کی انتہائی تنخواہ نوّے روپیہ ماہانہ تک رہی۔

حافظ صاحبؓ شادی سے قبل بالکل دُبلے پتلے مگر صحت مند انسان تھے لیکن شادی کے بعد وہ چند مہینوں میں ہی کافی فربہ اور تنومند بن گئے۔ ان کا موٹاپا آخر وقت تک رہا۔ بجز اس کے کہ آخری ایام میں انتقال سے قبل آپ کو ذیابیطس کی تکلیف رہی جس کی کمزوری سے ان کے اعضاء کسی قدر بیکار ہو چکے تھے۔ چلتے پھرتے ضرور تھے مگر کسی قدر تکلف سے آہستہ آہستہ چلا کرتے تھے۔ اُس زمانے میں میں لاہور میں وکالت کا کام انجام دیتا تھا۔ جب کبھی قادیان آتا تو لازماً ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ آپ آخری ایام میں دارالسلام کوٹھی کے ساتھ کے چھوٹے حصہ میں رہا کرتے تھے۔ مجھ سے انہوں نے اس بات کی بھی خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ لاہور آئیں گے اور اپنے لئے ہاتھ سے چلانے والی گاڑی خریدیں گے کیونکہ ان کی ٹانگوں میں قوت نہیں رہی تھی مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور انتقال فرما گئے۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

آپ نہایت بے نفس، ہمدرد، متقی، پرہیزگار شخص تھے۔ بجز قرآن شریف کی تلاوت اور درس قرآن و حدیث کوئی دوسرا ان کا شغل نہیں تھا۔ دنیا کی حرص یا طمع اُن کو قطعی نہ تھی۔

۱۹۲۴ء میں جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے ہمراہ انگلینڈ آئے میں نے ان کو بہت غمزدہ اور رنجیدہ پایا۔ چنانچہ ان کا دل بہلانے کے لئے میں آپ کو اپنے ساتھ لیجایا کرتا تھا۔ متعدد مرتبہ میں ان کو اچھے اچھے ریسٹورانوں میں لے گیا جہاں تھوڑا بہت میوزک بھی ہوا کرتا تھا۔ آپ خشک مولوی نہیں تھے، آپ کبھی معترض نہیں ہوئے کہ مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ چنانچہ انگلینڈ میں وہ میرے ساتھ بہت زیادہ مانوس ہو گئے تھے۔ مجھ سے انہوں نے اپنی گھریلو زندگی کا کئی مرتبہ بڑے رنج و غم سے ذکر کیا۔ بے شک اچھی بیوی خاوند کے لئے بہشت بنا سکتی ہے اور ناخوشگوار حالات میں گھر جہنم ہے۔ مجھ سے ایک مرتبہ اچھی خاصی تمہید کے بعد انہوں نے تین پاؤنڈ مانگے۔ ابھی انہوں نے تمہید ختم نہ کی تھی، میں سمجھ گیا کہ ان کو روپیہ کی ضرورت ہے۔ وہ میرے استاد تھے، ان کے ہاتھوں میں میں بچے سے پل کر جوان ہوا اور اتنا لمبا عرصہ تعلق رہا مگر اپنے بچے سے مانگنا اُن پر بہت شاق گزر رہا تھا۔ بہرحال میں نے ان کی بات کاٹ کر ان سے دریافت کیا آپ کو کتنی رقم کی ضرورت ہے؟ انہوں نے تین پاؤنڈ مانگے۔ خوش قسمتی سے میرے پاس وہ رقم موجود تھی میں نے ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ اپنی تمام عمر میں میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو ایک حقیر سی امداد کے

اتنا بے انتہا مشکور ہوتا ہو۔ ان کے چہرے اور رویہ اور بات چیت سے تشکر کے جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔

جس زمانے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ انگلینڈ تشریف لائے ویمبلے کی نمائش ہو رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں کو اجازت دی کہ یہ سب حافظ صاحب کی قیادت میں دیکھ آئیں۔ حافظ صاحب نے مجھے بلایا اور کہا "میاں" ہم سب نئے ناواقف لوگ ہیں تم ہمارے ساتھ چلو اور ہماری راہنمائی کرو۔ میں ان کے ارشاد پر ان سب کے ہمراہ چل دیا۔ مگر ابھی تھوڑی دور نہ گئے تھے کہ عبدالرحمن صاحب مصری نے مجھ سے پوچھا بس سے چلیں گے یا انڈر گراؤنڈ سے۔ میں نے کہا قافلہ کافی بڑا ہے ممکن ہے بس میں جگہ نہ ملے' اس کے علاوہ وقت کافی گزر چکا ہے جلد ہی پہنچنا چاہیئے لہذا انڈر گراؤنڈ سے جانا ہی مناسب ہے۔ حافظ صاحب نے میری تائید فرمائی اور فرمایا جو خالد کا ارادہ ہے اس کے مطابق ہی عمل ہوگا مگر عبدالرحمن صاحب بضد رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالرحمن صاحب تنہا گئے اور سب قافلہ حافظ صاحبؓ کی قیادت میں میری تجویز کے مطابق پہلے پہنچا۔ چنانچہ گیارہ بجے پہنچ کر شام تک ہم وہاں ہی پھرتے رہے۔ کھانا' چائے وغیرہ ہم سب نے وہاں ہی کھایا۔

حافظ صاحبؓ فرمایا کرتے تھے' لوگ شرعی احکام کی سپرٹ پر غور نہیں کرتے۔ لفظی جھگڑوں میں پڑ کر بیکار وقت ضائع کرتے ہیں جو کبھی سُود مند نہیں ہوتا۔ مجھے ایک مرتبہ حافظ صاحبؓ نے فرمایا مجھے وقت معلوم کرنے کے لئے سخت دقت ہوتی ہے۔ میرے پاس اُس زمانے میں تین چار گھڑیاں تھیں۔ بچپن کا زمانہ تھا ابھی بُری کی کوئی پرکھ نہیں تھی ایک گھڑی نہایت قیمتی طلائی جس کا کیس اور زنجیر خالص سونے کا تھا۔ زنجیر بھی تین لڑی ہوتی۔ بہت پُرانے زمانے کی۔ پیچھے سے علیحدہ کنجی سے چابی دی جاتی تھی وہ میرے تایا باقر علی خان صاحب کی تھی جو میرے والد نے مجھے دیدی تھی' وہ میں نے حافظ صاحب کو عاریتاً دیدی۔ حافظ صاحب اُس گھڑی کو تقریباً سال ڈیڑھ سال تک لگاتے رہے۔ میں نے ایک دو مرتبہ کہا بھی تھا کہ سونا پہننا جائز نہیں لیکن ان کا یہی جواب تھا کہ سونا پہننے سے تمکنت پیدا ہوتی ہے۔ میں فقیر آدمی ہوں سونے اور لوہے کی میرے لئے ایک ہی قدر ہے میں نے تو وقت ہی دیکھنا ہے میں اس لحاظ سے اسے مفید سمجھتا ہوں اس لئے استعمال کرتا ہوں۔ شاید حضرت سراقہؓ کو حضرت عمرؓ نے طلائی کڑے پہناتے تھے' اس کی بابت تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کی تکمیل کے سلسلہ میں عمل کیا مگر ایسے تاریخی واقعات کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ ایک ممتاز صحابی کے بار بار جوئیں پڑ جاتی تھیں وہ ایک علاج کے طور پر ریشم کا لباس پہنا کرتے تھے۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو صوابدید حاصل ہے کہ وہ فائدہ اور نقصان میں توازن کرے۔ ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں جن میں ممنوعات کے لئے بھی جواز ناممکن نہیں۔ یہ ایک پیچیدہ بحث ہے جس کو یہاں چھیڑنا بے محل ہے تاہم حافظ صاحب نہایت متشرع اور احکام الٰہی پر کاربند تھے مگر وہ خشک مُلّا نہیں تھے۔

ایک مرتبہ عید کے روز میں نے بنارسی پگڑی جس کے حاشیوں اور پلّیوں پر کافی وزنی طلائی کام ہوا تھا اُن کو پہنادی۔ چنانچہ انہوں نے بخوشی اُسے قبول کیا۔ عید پڑھ کر وہ اسی طرح سے والد کو ملنے آئے۔ اسمٰعیل الٰہ بخش کا بیٹا جو ہمارے خاندانی ملازموں میں سے ہے وہ بھی بچہ میرا ہم عمر تھا۔ اس نے حافظ صاحبؓ کو غیر معمولی طور سے ملبوس دیکھا اس نے صرف دیکھنے کے لئے پگڑی کے پلّے کو ہاتھ لگایا۔ حافظ صاحب کسی قدر ڈھیلی پگڑی باندھتے تھے' وہ اچانک گر گئی۔ میرے والد حافظ صاحبؓ کی بے حد عزت و تکریم کرتے تھے انہوں نے اسمٰعیل کی اس حرکت کو بہت بُرا منایا۔ میں نے

والد کا اس قدر شدت کا غصہ بہت کم دیکھا تھا لیکن
حافظ صاحبؒ نے والد کا غصہ دور کرنے کے لئے فرمایا
یہ بچہ ہے اس نے دانستہ ایسی حرکت نہیں کی۔ یہ تو محض
پگڑی کو دیکھ رہا تھا اتفاقاً پگڑی گر گئی۔

حافظ صاحبؒ کی مالی حالت کسی وقت بھی اچھی نہیں
تھی مگر ان کا دل غنی تھا۔ نہایت قانع شخص تھے۔ میں
نے کبھی ان سے غربت کی شکایت نہیں سنی۔ اکثر لوگوں
کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تونگر ہوتے ہوئے بھی بلاوجہ
مالی حالت کی نسبت شاکی رہتے ہیں۔ حافظ صاحبؒ
باوجود غربت جہاں کہیں بھی سفر پر جاتے اپنے ساتھ
دو شاگرد ضرور رکھتے۔ جہاں آپ قیام رکھتے وہاں
ان کے شاگرد بھی رہتے۔ کھانا ان کے ہمراہ کھاتے۔
بعض اساتذہ اپنے ایسے شاگردوں کے ساتھ "اوئے
توئے" بولتے مگر حافظ صاحبؒ ان کا پورا نام لیتے۔
اس کے علاوہ اپنی توفیق کے مطابق ان کی مالی امداد بھی
کیا کرتے تھے۔ میں نے کبھی ان غریب شاگردوں سے
اپنا نجی کام لیتے انہیں نہیں دیکھا۔

آپ میں زندگی تھی۔ بسا اوقات سیر کو جب ہم جاتے
تو بھاگ بھی لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر
کیا ہے آپ شادی کے بعد کافی موٹے ہو چکے تھے۔
مگر اس کے باوجود بہت تیزی سے بھاگا کرتے تھے۔
ہم بھائیوں میں میاں عبدالرحمٰن خان تیز بھاگنے والوں
میں سے تھے لیکن حافظ صاحب بھاگنے میں ان کو بھی
پیچھے چھوڑ جاتے۔

آپ کی آواز بہت سریلی اور درد بھری تھی۔
قرآن شریف نہایت سوز سے پڑھا کرتے تھے۔ ہمیں
نماز پڑھانے میں کسی قدر سختی بھی کیا کرتے تھے۔ علی الصبح
موسم سرما میں نماز پڑھنے کے لئے جگایا کرتے تھے اور
بہت اصرار سے جگایا کرتے تھے۔ مجھے اس اظہار میں
شرم نہیں کہ اس وقت بہت برا معلوم دیتا تھا مگر یہ آپ
کی مہربانی ہے کہ بیسیوں سال گزر گئے آج تک میری
عادت بن چکی ہے میں چارپائی پر پانچ بجے کے بعد کبھی نہیں
رہا۔ خدا کے فضل اور مہربانی سے ان کا ہی احسان ہے
جو میں اپنی ترسٹھ ۶۳ سالہ عمر میں بہت اچھی صحت کا مالک
ہوں۔ شاید میری شکل سے بڑھاپا ظاہر ہوتا ہو جو طبعی
امر ہے لیکن میری امنگیں ویسے ہی جوان ہیں۔

بہرحال حافظ صاحبؒ کا وجود نہایت قیمتی تھا افسوس
ایسی ہستیاں ہم سے جدا ہو گئیں جو ہستیاں صدیوں کے بعد
پیدا ہوتی ہیں۔ وہ اپنے لئے زندہ نہیں رہے بلکہ انکی زندگی
کا ہر لمحہ مخلوق کی خدمت کے لئے وقف تھا۔ ربوہ اور قادیان
میں جتنے بھی قابل قدر علماء موجود ہیں اُن میں سے شاید
کوئی ہی ہوگا جو اُن کے علم و فضل سے مستفید نہ ہوتا ہوگا۔
صبح و شام، دوپہر ہر وقت ان کا درس روزانہ ہوا کرتا تھا۔
غرضیکہ وہ چشمہ تھے اور دنیا آ آ کر اپنی پیاس اور تشنگی بجھاتی۔
ان کی عمر صرف ۴۸ سالہ تھی جب وہ اپنے محبوب حقیقی سے
جا ملے۔ میری سمجھ میں انہوں نے خدمتِ خلق میں اس قدر
جانفشانی سے کام لیا کہ ان کی صحت خراب ہو گئی اور اُن کی
زندگی نے وفا نہ کی۔

آپ کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایک لڑکی امۃ الحی ہے
جو میں نے سنا ہے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کر چکی ہے
شادی شدہ ہے۔ یہ ان کی پہلی بیوی کی دختر ہیں۔
حافظ صاحبؒ کی پہلی بیوی کا بھی مجھے علم ہے۔ بہت شریف،
سادہ طبیعت خاتون تھیں، وہ حافظ صاحبؒ کا بہت
خیال رکھتی تھیں۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کا عربی قصیدہ

[ذیل کا عربی قصیدہ ہمارے استاد حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے ۱۹۰۳ء میں کہا تھا جسے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے اپنے اخبار بدر قادیان مورخہ ۲۴ نومبر، یکم دسمبر ۱۹۰۳ء میں شائع فرمایا تھا۔ اب عزیزم مکرم مولوی عبدالباسط صاحب فاضل مربی سلسلہ کراچی نے الفرقان کے خاص نمبر کے لئے نقل کرکے بھجوایا ہے (جزاہ اللہ) ہم نہایت مسرت سے اس علمی اور روحانی تبرک کو درج کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)]

جاء الامام فابشروا یا اخوتی | قوموا لاستقباله یا احبتی

اے میرے بھائیو تمہیں خوش خبری ہو حضرت امام تشریف لائے ہیں۔ میرے پیارو اٹھو ان کے استقبال کو چلیں۔

فاقضوا منایاکم بوجه حبیبکم | لا تغفلوا فتنبهوا بالقوة

اپنی آرزوؤں کو اپنے حبیب کا چہرہ دیکھ کر پورا کرو۔ غفلت مت کرو ہمت کے ساتھ چوکس ہو جاؤ۔

یامن دعوت الناس وقت هلاکهم | دعوی المحب الیٰ جنات النعمة

اے جس نے کہ لوگوں کی ہلاکت کے وقت پیار کرنے والوں کی طرح نعمت کے باغوں کی طرف دعوت کی ہے۔

اُعطیت من ربّ السّماء رسالةً | توّجت من مولاك تاج العزّة

تجھے آسمان کے رب کی طرف سے رسالت دی گئی ہے اور تیرے مولیٰ نے تجھے عزت کا تاج پہنایا ہے۔

یا حبّذا حبًّا کریمًا بالهدیٰ | هادٍ ومهدٍ ناطق بالحکمة

اے بہت پیارے اور معزز دوست سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرنے والے اور حکمت کی باتیں سنانے والے

انّا نریٰ فی وجهك المتهلّلِ | نوراً یُباری البدر قامع ظلمة

ہم تیرے چمکتے ہوئے چہرہ میں ایک ایسی روشنی دیکھتے ہیں جو کہ چاند کی روشنی سے مقابلہ کرتی اور ظلمت کو جڑ سے اکھیڑتی ہے۔

واللهِ انّك قد بعثتَ لخیرنا | بطلٌ من الرحمٰن جئتَ بعظمة

اللہ کی قسم تُو تو ہماری بہتری کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تُو تو ایک پہلوان ہے جو کہ رحمان کی طرف عظمت کے ساتھ آیا ہے

یا قمرَ ارض الهند نوّر ارضنا | اسرج سراج قلوبنا بالمرّة

اے ہند کی زمین کے چاند ہماری زمین کو روشن کر اور ہمارے دلوں کو اپنے احسان سے منور کر۔

یا غیث ماء الوحی ردء کتابه | امطر علیٰ غبرائنا بالرحمة

اے وحی کے پانی کی بارش اور اس کی کتاب کے مددگار! ہماری زمین پر رحمت کی بارش برسا۔

انجیتنا من شرّ قوم هالكٍ | وهدیتنا قِبل الالٰه بشفقة

تو نے ہمیں خلاصی دی ایک ہلاک ہونے والی قوم کی شرارت سے اور شفقت سے ہمیں حقیقی معبود کی طرف رہنمائی کی۔

ومدجّج کره الکماة نزاله | لمّا دعوت محارباً بالقدرة

بہت سے بڑے بڑے بہادر کہ زبردست بہادر بھی ان کے مقابلہ کو ناپسند کرتے ہیں مگر جب تو نے زور کیساتھ لڑنے کیلئے بلایا

ترك القتال وفرّ مثل نعامة | وضع السلاح هناك خوف المحنة

چھوڑ دیا اس نے لڑائی کو اور شتر مرغ کی طرح بھاگا اور مصیبت کے خوف سے اپنے ہتھیار وہیں پھینک دیئے۔

انت المظفر والکمیُّ بارضنا | من بین ابطالٍ تفیءُ بنُهبة

تو ہی بہادر اور تو ہی کامیاب ہے ہماری سرزمین میں۔ تو ہی بڑے بڑے پہلوانوں کے درمیان سے مالِ غنیمت لیکر واپس آتا ہے۔

مردِ حق آگاہ شاگردِ مسیحائے زماںؑ

(نتیجۂ فکر جناب روشن دین صاحب تنویرؔ ایڈیٹر الفضل)

حافظِ قرآن حضرت مولوی روشن علیؓ
چشمِ دنیا میں خفی و چشمِ عقبےٰ میں جلی

آپ کا حلقوم آدینہ کلام اللہ کا
سینۂ شفاف آئینہ کلام اللہ کا

دین کے اسرار کا مواج دریائے علوم
عشق کا طوفان رگ رگ میں عقیدت کا ہجوم

تھی فصاحت اور بلاغت نے مزمہ ساز آپ کی
گونجتی ہے آج تک کانوں میں آواز آپ کی

عرشیوں کو کھینچ لاتا تھا تلاوت کا سرود
تھا تلاوت میں مگر فردوسِ جنت کا سرود

مردِ حق آگاہ شاگردِ مسیحائے زماںؑ
در بہشتی مقبرہ پیوند ارضِ قادیاں

یعنی اصحابِ رسولُ اللہ کا عکسِ مبیں
ایک رخشندہ مثالِ آیۂ والآخرین

اَصْحَابِی کَالنُّجُوْم

(از جناب چودھری عبد السلام صاحب اختر ایم۔اے)

وہ مردانِ خدا جن کی حیاتِ جاوداں اب بھی
فرازِ احدیت پر ہے مثلِ کہکشاں اب بھی

زمانہ کیا بھلا سکتا ہے اُن کی داستاں اب بھی
دلوں میں خیمہ زن ہیں جن کے نقشِ جاوداں اب بھی

نہیں موجود گو شیرِ علیؓ ! روشن علیؓ ۔ ہم میں
مگر میں دیکھتا ہوں اُن کو اپنے درمیاں اب بھی

ہے اُن کی ذات پر نازاں عروجِ آسماں اب تک
ہے اُن کا خوں ہمارے دل کی موجوں میں رواں اب بھی

حیا اُن کی کہ جس پر عصمتِ مریم قسم کھائے
وفا اُن کی کہ دل ہے خلوتوں میں نغمہ خواں اب بھی

قدم اُن کے ہیں ضامن رفعتِ افلاک کے اب تک
نظر اُن کی ہے تقدیسِ حرم کی پاسباں اب بھی

حقیقت ہے یہی اختر کہ آنکھوں میں نظیر اُن کی
نہیں لائی جہاں میں گردشِ دورِ جہاں اب بھی

حضرت حافظ روشن علیؓ کا ذکرِ خیر!

(نتیجۂ فکر جناب چودھری آفتاب احمد صاحب بسملؔ کراچی)

روشن علیؓ وہ مردِ حق آگاہ و نیک خُو
واجب ہے جس کے واسطے بالخیر اُذکرُوا

وہ پاکباز و متّقی و حافظِ قرآں
وہ جس کے علم و فضل کا شہرہ تھا چار سُو

وہ جس کے ہر نفَس میں تھا قرآں موجزن
سرشارِ عشق جس کا تھا ہر ایک تار و پُو

حضرت مسیحِ پاکؑ کی صحبت کے فیض سے
دنیا و آخرت میں بڑھی جس کی آبرُو

قرآں کے علوم کا اِک بحرِ بیکراں
شیرینیٔ کلام میں تھا مثلِ آبجُو

روشن ضمیر۔ پاک سرشت و مَلک صفت
اِک آئینہ تھا حُسنِ عمل کا وہ خوبرُو

وہ مردِ حق پرست کہ جس کو تمام عمر
ہردم رہی رضائے الٰہی کی جستجُو

اسلام کا وہ زندہ نمونہ تھا دہر میں
مُسلِم کے لفظ کا تھا وہ مصداق مُو بمُو

رنگین تھا وہ اس قدر آقا کے رنگ میں
مُرشد کی اپنے بن گیا تصویر ہُو بہُو

قرآن لوگ سیکھ لیں تفسیر جان لیں
اِس کے سوا نہیں تھی کوئی اس کی آرزُو

دن رات جس کا مشغلہ قرآں کا درس تھا
اللہ کی رضا سے ہوا جو کہ سُرخرُو

بسملؔ کی ہے دُعا کہ اسے بھی نصیب ہو
روشن علیؓ کا جذبِ طلب ذوقِ جستجو

ہم مگر روشن علیؒ کو آج تک بھولے نہیں

(جناب ماسٹر اللہ بخش صاحب تسنیم کے قلم سے)

پھول کھل کر باغ میں ہوتا ہے آخر ناپدید
بھول جاتا ہے بشر گذرے ہوئے احوال کو
ہم مگر روشن علیؒ کو آج تک بھولے نہیں
معدنِ عقل و بصیرت مخزنِ علم و کمال
حق نے بخشا تھا بلا کا حافظہ اُس مرد کو
جس کے نورِ علم سے دل سینکڑوں روشن ہوئے
دے رہا ہے زندگی دنیا میں اس کے نام کو
آسمانِ علم کو دو چار لمحوں کے لئے
علم و عرفاں کی ضیا ہوتی نہیں ہے ناپدید
ان کے نغمے پھر بھی رہتے ہیں فضا میں گونجتے
سلسلہ رہتا ہے جاری علم کی تجدید کا
فیض سے مردانِ حق آگاہ کے اک دن ضرور
شمعوں سے باقی چلی جاتی ہیں شمعیں زندگی
ہے ہر اک تخریب میں مضمر بنا تعمیر کی

ٹوٹ کر پانی میں مل جاتا ہے فانوسِ حباب
حادثوں کے رُخ پہ پڑ جاتا ہے ماضی کا نقاب
دل میں اس کی یاد اب تک ہے بشکلِ اضطراب
خادمِ دینِ متیں عالی گہر شیریں خطاب
چلتا پھرتا اِک کتب خانہ تھا وہ عالی جناب
کر دیا ذرّوں کو جس کی تربیت نے آفتاب
جسکو بھی حاصل تلمّذ کا ہے اس سے انتساب
دے گیا انوارِ رنگیں ٹوٹ کر مثلِ شہاب
ٹوٹ کر انجم کی پا لیتا ہے صورت آفتاب
توڑ دے گو موت اہلِ دل کی ہستی کا رباب
ہے سکوں نا آشنا فطرت کا ذوقِ انتخاب
بن کے رہتا ہے حقیقت زندگانی کا سراب
سینکڑوں دل خورشید سے ہوتے ہیں روشن ماہتاب
کعبہ بنتا ہے بالآخر ہو جو بت خانہ خراب

ایک "نوشاہی" ستارہ بدرِ کامل بن گیا
قلزمِ روحانیت میں آ کے طوفاں بن گئی

آفتاب "چاردہ شاہی" سے ہو کر فیضیاب
کھا رہی تھی بچشمۂ "رنمل" میں موج اک پیچ و تاب

نورِ خانہ شمع بن کر رونقِ محفل ہوا
خون کا قطرہ کمالِ تربیت سے دل ہوا

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِخَاتَمِ الشُّهَدَاءِ

(للأستاذ الفاضل جلال الدّين شمس)

وَلَقَدْ أَتَى النَّاعِيْ قُبَيْلَ مَسَاءٍ — يَنْعَى غِيَابَ الشَّمْسِ فِي الْغَبْرَاءِ

فَسَأَلْتُهُ مُتَهَيِّباً فَأَجَابَنِيْ — مُتَأَسِّفاً فِيْ أَنَّةٍ وَبُكَاءٍ

فُجِعَتْ دِيَانَتُنَا وَغَاضَ مَعِيْنُهَا — بِوَفَاةِ "رَوْشَنَ" خَاتِمِ الْعُلَمَاءِ

لَمْ أَمْتَلِكْ عِنْدَ السَّمَاعِ مَشَاعِرِيْ — إِذْ كَانَ رُزْئِيْ أَعْظَمَ الْأَرْزَاءِ

فَجَرَتْ عُيُوْنِيْ بِالدُّمُوْعِ كَأَنَّهَا — عَيْنٌ كَمِثْلِ عُصَارَةِ الْحِنَّاءِ

يَا سَائِلِيْ كَانَ الْفَقِيْدُ مُعَلِّمِيْ — صَافِي الْفُؤَادِ وَأَنْجَبَ النُّجَبَاءِ

كَمْ مَرَّةٍ أَبْدَى مَحَبَّتَهُ لَنَا — بِتَحَمُّلِ الْأَتْعَابِ وَالصَّعْدَاءِ

لَا تَسْأَلَنْ يَا صَاحِ عَنْهُ فَإِنَّهُ — فَاقَ الرِّفَاقَ بِفِطْنَةٍ وَذَكَاءٍ

وَبِعِلْمِهِ وَبِحِلْمِهِ وَبِلُطْفِهِ — فِيْ كَفِّهِ فَاضَتْ بُحُوْرُ سَخَاءٍ

رَفَعَ الْإِلٰهُ مَقَامَهُ فَكَأَنَّهُ — قَمَرٌ تَلَأْلَأَ ضَاحِكاً بِسَمَاءٍ

خَدَمَ الدِّيَانَةَ مِنْ صَمِيْمِ فُؤَادِهِ — مَا كَانَ طَالِبَ سُؤْدَدٍ وَجَزَاءٍ

هَلَّا سَمِعْتَ زَئِيْرَهُ يَوْمَ الْوَغَى — عِنْدَ الْبِرَازِ وَحَالَةَ الْأَعْدَاءِ

مُتَخَبِّطِيْنَ أَمَامَهُ فِيْ جَهْلِهِمْ	كَتَخَبُّطِ الْعَشْوَاءِ فِي الظُّلْمَاءِ
أَمْ هَلْ حَضَرْتَ حَدِيْثَهُ وَدُرُوْسَهُ	تِلْكَ الَّتِيْ فَاقَتْ عَلَى الصَّهْبَاءِ
قَدْ كَانَ زِيْنَةَ مَعْشَرِ الْقُرَّاءِ	وَمُكَرَّمًا فِيْ زُمْرَةِ الْأُدَبَاءِ
وَإِذِ اعْتَلَى يَوْمَ الْخَطَابَةِ مِنْبَرًا	حَنَتِ الرُّؤُوْسَ مَعَاشِرُ الْخُطَبَاءِ
لَا رَيْبَ أَنَّ فَقِيْدَنَا لِبَشِيْرِنَا	عَبْدُ الْكَرِيْمِ لِخَاتَمِ الْخُلَفَاءِ
يَا مَنْ تَكَبَّدْتَ الْمَصَائِبَ كُلَّهَا	بِمَحَبَّةٍ وَ بِلَذَّةٍ وَ رِضَاءِ
وَلَقَدْ عَشِقْتَ اللّٰهَ ذَا الْآلَاءِ	تُمْضِي النَّهَارَ بِذِكْرِهِ وَثَنَاءِ
بِتَهَجُّدٍ وَتِلَاوَةٍ وَعِبَادَةٍ	قَدْ كُنْتَ تُحْيِي اللَّيْلَةَ اللَّيْلَاءِ
لَا شَكَّ أَنَّكَ قَدْ حَلَلْتَ مُبَارَكًا	فِيْ جَنَّةٍ وَرِيَاضِهَا الْفَيْحَاءِ
وَلَقَدْ رَأَيْتُكَ فِيْ مَنَامِيْ مَرَّةً	فِيْ مَوْضِعٍ بِحَدِيْقَةٍ غَنَّاءِ

حُسْنُ الْخِتَامِ بِأَنْ أَقُوْلَ صَرَاحَةً

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِخَاتَمِ الشُّهَدَاءِ

حَبَّذا اے حافظِ روشن علیؓ!

(جناب مولوی ظفر محمد صاحب مولوی فاضل و منشی فاضل)

حَبَّذا اے حافظِ روشن علیؓ! — پیکرِ خاکی سراپا روشنی
عالم و فاضل بہت دیکھے مگر — آپ سا فاضل نہیں دیکھا کبھی
حافظِ قرآن و استاذِ بیاں — ماہرِ علمِ حدیث و فلسفی
قاری و صوفی مناظر مجتہد — پھر فقیہہ بے مثال و منطقی
حُسنِ ترتیل و تلاوت آپ کی — میرے کانوں میں ہے اب تک گونجتی
نیّرِ قرآن کی تاثیر سے — ہر نفس میں آپ کی تھی روشنی
ذات اُن کی جامعِ علم و عمل — زندگی اسلام کی تفسیر تھی
مطمئنّہ نفس نے اُن کے کبھی — بے قراری بے کلی دیکھی نہ تھی
مُستتر تھی ہر ادا میں آپ کی — دلکشائی، دلربائی، دلبری
حلقۂ احباب میں اِک جُوئے شِیر — محفلِ اغیار میں شیرِ جری
اپنے شاگردوں میں اِک مشفق پدر — دوستوں میں اپنے اِک نِعم الولی
یاد تھیں اتنی کتابیں آپ کو — اِک کتب خانہ تھے گویا آپ ہی
خوش بیان و خوش کلام و خوش ادا — ختم تھی حاضر جوابی زیر کی
ماہِ رمضاں درسِ قرآں آپ کا — مسجدِ اقصیٰ میں بارش نور کی

بازوئے احمدؑ تھے گر عبد الکریمؓ
بازوئے محمود تھے روشن علیؓ

پہلوانِ حق تھا تو میدانِ علم و فضل میں

(حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر رضی اللہ عنہ)

ہائے اے روشن علی اے واعظِ شیریں بیاں　　حافظِ قرآنِ پاک و عالمِ دینِ متیں

تیرا علم و اتقا وہ تیرا درسِ دلربا　　وہ ترا صدق و صفا صبر و وفا خلقِ مبیں

وہ تری تقریرِ دلکش دلربا طرزِ سخن　　صحبتِ خوش تیری ہم کو بھول سکتی ہی نہیں

پہلوانِ حق تھا تو میدانِ علم و فضل میں　　تیرے دم سے آسماں رتبہ بنی تھی یہ زمیں

استقامت اور محبت تجھ پہ ہوتی تھی فدا　　تجھ پہ کرتی تھی شجاعت اور سعادت آفریں

تیری خوش الحانیاں دنیا نہ بھولے گی کبھی　　یاد کر کے روئے گا تجھ کو ہر اک اہلِ یقیں

ماہِ رمضاں میں وہ تیرا درسِ قرآنِ مجید　　سامنے آنکھوں کے لے آتا ہے بزمِ نورِ دیں

سامنے ہوتا ہے وہ آتا ہے جب ماہِ صیام　　ختم اس پر درس دینا آفریں صد آفریں

درسِ قرآں منہ میں روزہ اور اک پارہ کا درس　　ختمِ قرآں۔ ترجمہ۔ تفسیر۔ یہ آساں نہیں

پاکبازی پر تری دشمن بھی حیراں تھے بہت　　رہتی تھیں ناکام ان کی چشم ہائے عیب بیں

دل لبھاتی تھی وہ تیری صوفیانہ زندگی　　تیری مداحی میں تھا رطب اللساں ہر نکتہ چیں

تیرے علم و فضل کا اعداء کو بھی تھا اعتراف　　تیری عظمت ان کے دل میں ہو گئی تھی جانشیں

تیری فرقت ماتمِ قومی و ملی ہے مگر،　　قابلِ صد رشک ہے یہ موت تیری بالیقیں

مرتے دم تک خدمتِ دیں میں رہا مصروف تو　　یاد تھی تبلیغ وقتِ انفاسِ واپسیں

کیا ہوا گر قبر نے آغوش اپنی بند کی　　کھل گئی تیرے لئے آغوشِ خیر المرسلیںؐ

کان ہیں مشتاق تیری نغمہ سنجی کے بہت　　کچھ ترنم اور بھی اے طوطیٔ سدرہ نشیں

دورِ آخر میں بھی اپنے علم و زہد و فضل سے　　تو نے دنیا کو دکھا دی بزمِ دورِ اولیں

اے زہے قسمت کہ دنیا کی کشاکش سے چھٹا　　صحبتِ احمدؑ ہے تو ہے اور فردوسِ بریں

مومنِ صادق رہا جب تک کہ دنیا میں رہا　　سرخرو ہو کر گیا تو پیشِ خیر المحسنیں

تو ہے ہم آغوشِ عیشِ جاوداں فردوس میں　　دل سے اٹھتے ہیں ہمارے نالہ ہائے آتشیں

ہم کو دے روشن علی جیسے ہزار دل اے خدا　　تاکہ طول و عرض دنیا میں ہو پھر ترویجِ دیں

تیری درگاہِ معلّیٰ میں پہنچ کر ہو قبول　　یہ دلِ صد پارہ گوہر کی آوازِ حزیں

حضرتِ احمدؑ کا مصرعہ پڑھ کے گوہر ہو خموش　　"مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہلِ دیں"

شہیدِ ملّت

حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ

(از جناب محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس فاضل۔)

[مکرم مولانا ابو العطاء صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ میں بھی ماہنامہ الفرقان کے "حضرت حافظ روشن علی نمبر" کیلئے مضمون لکھوں۔ خواہ مختصر ہی لکھوں۔ اور اگرچہ میں جلسہ سالانہ کے قریب کی وجہ سے الشرکۃ الاسلامیہ کی طرف سے شائع ہونے والی کتابوں کی تدوین وطباعت میں حد درجہ مشغول ہوں تاہم مولانا کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے محبوب استاد مرحوم کی یاد میں مندرجہ ذیل سطور سپردِ قلم کرتا ہوں۔ (شمس)]

تاریخی امور

ہمارے شفیق اور مہربان استاد حضرت حافظ روشن علی مرحوم رضی اللہ عنہ رنمل ضلع گجرات کے مشہور پیروں کے خاندان میں سے تھے۔ آپ تقریباً ۱۹۰۰ء میں قادیان تشریف لائے اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ سے دینی اور عربی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کا حافظہ قیامت کا تھا۔ گویا ٹیپ ریکارڈ کی مشین تھی۔ جو بات ایک دفعہ غور سے سن لیتے وہ گویا حافظہ میں ریکارڈ ہو جاتی تھی۔ آپ کتاب خود نہیں پڑھ سکتے تھے۔ سب تعلیم آپ نے سن کر حاصل کی۔ خدا پر توکل رکھنے والے صالح متقی بزرگ تھے۔ آپ نے ۲۳ جون ۱۹۲۹ء کو تقریباً ۴۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سچے خادمِ اسلام

جب آپ نے وفات پائی اس وقت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز موسم گرما گزارنے کے لئے کشمیر میں قیام پذیر تھے۔ آپ کی وفات کی اطلاع ملنے پر حضور نے جو پیغام تعزیت بذریعہ تار قادیان بھیجا اس سے ہمارے استاد مرحوم رضی اللہ عنہ کے بلند مقام کا علم ہوتا ہے تار کا ترجمہ یہ ہے:۔

"مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ میں وہاں موجود نہیں ہوں۔ تاکہ اس قابلِ قدر دوست اور زبردست حامیٔ اسلام کی نمازِ جنازہ خود پڑھا سکوں۔ حافظ صاحب مولوی عبد الکریم صاحب ثانی تھے۔ اور اس بات کے مستحق تھے کہ ہر ایک احمدی انہیں نہایت ہی عزت و توقیر

کی نظر سے دیکھے۔ انہوں نے اسلام کی
بڑی بھاری خدمت سرانجام دی ہے۔ اور
جب تک یہ مقدس سلسلہ دنیا میں قائم ہے
انشاء اللہ ان کا کام کبھی نہ بھولے گا۔"
(الفضل ۲۸ جون ۱۹۲۹ء)

حافظ صاحب مرحوم بطور استاد

جب میں ۱۹۱۹ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کر چکا تو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے میرے لئے ایک نصاب تعلیم تجویز کیا۔ اس نصاب میں سب سے بڑا اہم تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا مطالعہ اور ان کا خلاصہ نکالنا تھا۔ اسی اثناء میں مجھے چھ ماہ کے لئے نظارت تالیف و تصنیف میں بھی کام کرنا پڑا۔ اس وقت حضرت حافظ صاحب مرحوم بھی اسی نظارت میں بطور نگران کام کرتے تھے اور مکرم درد صاحب مرحوم ناظر تھے۔ اس چھ ماہ کے عرصہ میں حضرت حافظ صاحب مرحوم کی نگرانی میں میں نے چند کتب اور بہت سے مضامین لکھے۔ ۱۹۲۰ء میں جب مولوی ظہور حسین صاحب اور مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی وغیرہ مولوی فاضل کا امتحان پاس کر چکے تو کلاس مبلغین جاری کی گئی جس کا سب سے پہلا طالب علم خاکسار تھا حضرت صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب بھی اس کلاس میں شامل ہو گئے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں حضرت حافظ صاحب مرحوم جیسا مشفق و مہربان اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا عالم باعمل استاد ملا جنہوں نے کمال ہمدردی اور بے مثل شفقت اور بے لوث محبت اور خاص محنت اور توجہ سے رات دن ایک کر کے ہمیں خدا تعالیٰ کی پاک کتاب اور احادیث رسول اور دیگر علوم مروجہ کی کتب پڑھائیں۔

میری زندگی میں تغیر عظیم کا باعث

میری زندگی میں تغیر عظیم کا باعث آپ ہی ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں مجھے اور میرے ہم گاؤں ساتھیوں کو اپنے گاؤں سے شدید محبت تھی۔ چونکہ مدرسہ احمدیہ میں تعطیل جمعہ کے روز ہوتی تھی اسلئے جمعہ کے روز دوسرے لوگ تو قادیان آتے اور ہم اپنے گاؤں چلے جایا کرتے تھے۔ آخر مولوی فاضل کے سالانہ امتحان سے چند ماہ پیشتر آریہ سماج وچھو والی لاہور کے جلسہ کی تقریب پر حضرت حافظ صاحب مرحوم مجھے بھی لاہور ساتھ لے گئے۔ اور یہ لاہور کی طرف میرا پہلا سفر تھا۔ اس وقت جماعت لاہور میاں چراغ الدین صاحب مرحوم کے مکان واقع بیرون دہلی دروازہ پر نمازیں پڑھا کرتی تھی۔ ایک دن نماز مغرب کے بعد حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم نے حضرت حافظ صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی عربی قصیدہ سنائیں۔ آپ نے قصیدہ اولیٰ در مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ آئینہ کمالات اسلام جس کا پہلا شعر ہے

یا عین فیض اللہ والعرفان
یسعی الیک الخلق کالظمآن

نہایت دلکش آواز سے سنانا شروع کیا جب آپ اس شعر پر پہنچے۔

وقد اقتفاک اولو النہی وبصدقہم
ودعوا تذکر معہد الاوطان

یہ شعر سن کر مجھے قادیان میں رہائش کا اشتیاق ہوا۔ جو اس قدر بڑھا کہ ملک شام کو جاتے وقت قادیان کی جدائی سب سے زیادہ شاق اور تکلیف دہ تھی۔ اور یہ وہی قصیدہ ہے جس کی یہ توفیق ایزدی ۱۹۵۶ء میں جبکہ میں بحالت بیماری بغرض حصول صحت کوئٹہ میں مقیم تھا میں نے

شرح لکھی تھی۔ جو شرح القصیدہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

خوش قسمتی

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کے بعد مجھے آپ کی صحبت میں چار پانچ سال متواتر رہنا پڑا۔ تقریباً تین سال تک باقاعدہ آپ سے مبلغین کلاس میں تعلیم پائی۔ آپ نے جس محبت اور شفقت سے میری تربیت فرمائی اور اپنے ساتھ تبلیغی دوروں پہ لیجا کر مناظرات کی مشق کرائی وہ مَیں بھول نہیں سکتا۔ استادوں میں آپ کی نظیر شاذ و نادر ہی ملے گی۔ آپ کو مجھ سے خاص طور پر محبت تھی۔ تبلیغی دوروں میں اکثر دفعہ آپ مجھے اپنے ہمراہ لے جایا کرتے اور جب ہم مبلغین کلاس میں پڑھتے تھے اس وقت دوسرے دن جو درس قرآن مجید اور احادیث کا دینا ہوتا اس کی تیاری کے لئے آپ مجھے بلوایا کرتے اور مَیں آپ کو تفسیریں اور احادیث کی شرح سُنایا کرتا۔ جس سے مجھے ازحد فائدہ پہنچا۔ آپ کے ساتھ مَیں نے دہلی، مونگھیر، بھوپال، ڈیرہ دون، منٹگمری، پٹیالہ، سیالکوٹ، لاہور، ناروو ال، گجرات، جالندھر، جہلم، مالیرکوٹلہ وغیرہ شہروں کا دورہ کیا مگر ایک دفعہ بھی مجھے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ہوا

شاگردوں سے حسن سلوک

آپ حد درجہ متواضع اور مجسم محبت تھے۔ خوش مزاج ملنسار طبیعت رکھتے تھے اور دوسرے کی تکلیف کا آپ کو حد درجہ احساس ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے جب مَیں آپ کے ہمراہ بھوپال گیا تو راستہ میں دہلی سے ہمیں بمبئی میل پر سوار ہونا پڑا۔ اس کے لئے مجبوراً سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لینا پڑتا تھا۔ اور ہمارے پاس دو ٹکٹوں کا کرایہ نہ تھا۔ آخر ایک سرونٹ ٹکٹ لیا۔ آپ ان دنوں کچھ مریض بھی تھے۔

مگر یہ امر آپ پر سخت گراں گزرا۔ آپ بار بار راستہ میں سٹیشنوں پر آکر میرے پاس آتے اور فرماتے۔ آؤ جگہ تبدیل کرلیں مگر مَیں نے منظور نہ کیا۔ بھوپال میں ہی مجھے خوب یاد ہے جب ہم سیر کے لئے جارہے تھے تو آپ نے لباس میں سادگی کی نصیحت فرمائی کہ بس لباس صاف ہونا چاہیئے۔ بھڑکیلے اور چمکدار کپڑے پہننے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر امر میں سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔ اس طرح انسان غیر ضروری تکالیف سے بچ جاتا ہے۔

شاگردوں سے بے تکلف تھے

آپ اپنے شاگردوں سے بہت بے تکلفی سے باتیں کیا کرتے تھے اور شاگردوں کو بھی جس بات کی ضرورت ہوتی وہ آپ سے ہی کہا کرتے اور پھر آپ خود ہی انجمن میں پیش کرتے اور فیصلہ کرواتے۔ سلسلہ کی ضروریات کو مدنظر رکھنے کی ہر وقت تاکید فرماتے رہتے۔ آپ کو جسقدر تبلیغ کا جوش تھا اور سلسلہ سے محبت تھی اس کا اندازہ آپ کی اس آخری وصیت سے لگایا جاسکتا ہے کہ "میرے شاگردوں کو چاہیئے کہ تبلیغ کا کام جاری رکھیں۔"

آخری ملاقات

قادیان سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر اس سڑک کے کنارے جو سری گوبند پور سے بٹالہ کو جاتی ہے ایک کنواں ہے جہاں چند درخت بھی ہیں۔ ابتداء میں جو مبلغین دوسرے ممالک کو جاتے تھے حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز مع جماعت کے دوستوں کے انہیں دُعا کے ساتھ الوداع کہنے کے لئے اس مقام پر تشریف لایا کرتے تھے۔ جب مَیں بعزم سفر ملک شام قادیان سے روانہ ہوا اس روز بھی حضور اس مقام پر تشریف لے گئے۔ اس دن میرے دل کی عجیب کیفیت تھی دل رقت سے

پُر تھا۔ قادیان سے جُدائی کا خیال آتے ہی دل میں بے قراری کی ایک موج اٹھتی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں گم ہو جاتی حضور سے لمبے معانقہ کے وقت بھی آنکھیں اشکبار تھیں۔ دل بے قرار تھا۔ پھر یکہ پر سوار ہونے سے پہلے آہ و بکا کی حالت میں اپنے استاد مرحوم سے معانقہ کیا اور آپ مجھے تسلی دے رہے تھے۔ گویا وہ ایسی حالت تھی کہ میں اپنے مشفق و مہربان استاد سے آخری ملاقات کر رہا تھا۔

آپ کی ہدایات

آپ نے میرے ملک شام کی طرف سفر کرنے کے وقت جو مجھے تحریری ہدایات دی تھیں منجملہ ان کے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ :-

> "سلسلہ احمدیہ کے متعلق کبھی خیال نہ کرنا کہ خلیفہ یا کوئی اور اس کا ذمہ دار ہے بلکہ اپنے ذہن میں اس خیال کو پختہ کرو کہ یہ سلسلہ میرا ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اور اپنے اندر نیابت کا خیال نہ بٹھاؤ بلکہ اصلیت کا۔"

نیز فرمایا :-

> "یہ ممالک بھی کابل سے کم نہیں ہیں۔ لہذا تمام باتوں کا خیال رکھنا۔ اوّل اپنے قائم مقام پیدا کرنے کی ہر وقت کوشش کرنا۔ اس کے واسطے کسی اچھے شخص کو منتخب کر کے اس سے خاص دوستی کرنا کہ اگر تمہارے جسم کو روح سے علیحدہ کیا جائے تو فوراً وہ روح دوسرے جسم کے ساتھ کام کرنے لگ جاتے۔"

آخری نصیحت آپ کی یہ تھی۔ ایسی کوشش کرنا کہ خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلق ہو جائے۔ اس کے بغیر حقیقی راحت نہیں مل سکتی۔

اور میں نے حتی الامکان اپنے استاد مرحوم رض کی ان ہدایات کو مدنظر رکھا اور شام کے علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا دوست عطا کر دیا (یعنی سید منیر الحصنی صاحب) جن کو میں نے اپنے استاد مرحوم کی ہدایت کے مطابق طیار کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے اہل بھی ثابت ہوئے۔ جب مجھے اچانک دمشق کو چھوڑ کر حیفا جانا پڑا تو انہوں نے دمشق میں لوائے احمدیت کو قائم رکھا۔ اور سلسلہ کی تبلیغ کے لئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ سنہ ۱۹۲۹ء کے آخر میں جب میں چھ ماہ کے لئے مصر گیا تو وہ بھی میرے ساتھ گئے۔ ان کے جوشِ ایمان اور سلسلہ سے اخلاص و محبت کو دیکھ کر ہمارے مرحوم و مغفور بھائی شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے جن تاثرات کا اظہار کیا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ انہی کے الفاظ میں الفضل گیارہ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء سے نقل کر دوں۔ آپ نے لکھا :-

> "میں جب مصر پہنچا تو میں نے دیکھا سلسلہ کے دو مجاہد تبلیغ میں مشغول ہیں۔ یعنی مولوی جلال الدین صاحب شمس اور منیر افندی الحصنی۔ برادر منیر افندی الحصنی ایک سرخ و سفید رنگ کا نوجوان ہے جس کے چہرہ سے تقویٰ اور طہارت ٹپکتی ہے۔ اور داڑھی اسے بہت زیب دیتی ہے۔ یہ دمشق کا باشندہ ہے اور شام کے مدارس عالیہ کا تعلیم یافتہ۔ وکالت کی ڈگری بھی حاصل کی ہوئی ہے اور تین سال تک جرمنی زبان پر کافی دسترس حاصل کی ہے۔
>
> اس کے دل میں سلسلہ کے لئے خاص جوش ہے۔ یہ تعلیم یافتہ نوجوان مولوی

جلال الدین صاحب شمس کے ذریعہ سلسلہ میں داخل ہوا۔ اور میرے نزدیک ان لوگوں میں سے ایک ہے جو خدا کی وحی میں ابدال شام کے الفاظ سے یاد کئے گئے ہیں۔ منیر افندی نے سلسلہ کی تمام کتب جو عربی میں تھیں پڑھیں اور مسائل دینی پر پورا عبور حاصل کیا۔ شمس صاحب کی صحبت اس کے لئے اکسیر ثابت ہوئی۔ جب مولوی جلال الدین صاحب کو دمشق سے جانا پڑا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اُسے شام کی جماعت کا امیر مقرر کر دیا۔

منیر افندی اپنا پورا وقت سلسلہ کی اشاعت میں صرف کرتا ہے۔ اس کا والد اس کی اس حالت سے بہت ناراض ہوا۔ اور اس نے ناراضگی کا اظہار مختلف رنگ کی سختیوں سے کیا۔ مگر منیر لاتقل لھما اُفٍ ولا تنھرھما کے ماتحت سب کچھ برداشت کرتا رہا۔

مولوی جلال الدین صاحب شمس کو جب میں نے دیکھا تو معلوم ہوا۔ اس ملک کی آب و ہوا نے ان کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ میں نے شمس صاحب کو نو سال کے بعد دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا اس عرصہ میں شام و فلسطین کی آب و ہوا نے بہت کچھ اثر کیا ہوگا۔ مگر میں نے ان کو اسی طرح پتلا دبلا دیکھا جیسے وہ اپنے زمانہ طالب علمی میں تھے۔

شمس صاحب مصر میں بہت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے طرق زندگی کے لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ مصر میں نہیں قادیان میں رہتے ہیں۔ ان کے علم کا ہر اس شخص کو اعتراف کرنا پڑتا ہے جو اُن سے ایک دفعہ گفتگو کر لیتا ہے۔ میں جب انہیں گفتگو کرتے دیکھتا ہوں تو محسوس ہونے لگتا ہے۔ کہ مرحوم حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح بول رہی ہے۔ اسی طرح کلام میں روانی، دلائل میں قوت، ہر ایک بات کی تہ میں اُتر جانا اور اس کے اندر وسعت پیدا کرنا۔ آہستہ آہستہ جھومتے رہنا ان کے چہرے پر مسکراہٹ دائمی رہتی ہے۔ ان دنوں جبکہ میں پہنچا انہوں نے عیسائی کیمپ پر حملہ شروع کیا ہوا تھا۔

یہاں جس قدر مسیحی جماعتیں ہیں ان کے کیمپ پر جا کر منیر اور شمس نے ہجوم کیا اور ان کی زبانیں جو اس سے پیشتر اسلام کے خلاف چلتی تھیں بند کر دیں۔ مسیحی مناد جو روزانہ یہاں کے علماء کو تنگ کرتے تھے احمدی مبلغین کے دلائل سُن کر دنگ رہ گئے اور بول اُٹھے کہ ہم احمدیوں سے بحث نہیں کرتے۔ ان مباحثات کا یہ اثر ہوا کہ نوجوانوں کی ایک جماعت مولوی جلال الدین صاحب کی طرف مائل ہو گئی“

میں نے اپنے محترم بھائی شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحومؒ

کا یہ بیان ایک تو اس لئے درج کیا ہے کہ اس سے ہمارے استاد مرحوم کے علم وفضل اور آپ کے بعض عادات وخصائل حسنہ پر روشنی پڑتی ہے۔ دوسرے اس امر کے اظہار کے لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے شاگردوں کو اپنے محبوب استاد کے نقشِ قدم پر ایک حد تک چلنے کی توفیق دی - پس ہمارا محبوب استاد اپنی زندگی میں بھی ہمیں محبوب تھا اور بعد الموت بھی محبوب ہے - اور آپ کے شاگرد اس کام کو جس کے لئے آپ نے زندگی وقف کر رکھی تھی بہ توفیق الٰہی جاری رکھیں گے - پس ہمارا محبوب استاد زندہ ہے اور کوئی نہیں جو اُسے مُردہ کہہ سکے - وہ زندہ ہے جب تک کہ سلسلہ احمدیہ دنیا میں قائم ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یادِ رفتگاں

(جناب مولوی مصلح الدین احمد صاحب راجیکی مرحوم)

کچھ ستارے آسماں پر جھلملا کر رہ گئے
کچھ زمیں پر جگمگائے جگمگا کر رہ گئے

منزلِ عقبیٰ بھی کیا منزل ہے جسکے شوق میں
جو بھی آئے اس جہاں میں جاں سے جا کر رہ گئے

جذبۂ صبر و تحمّل تھا کہ خوفِ معصیت
سینکڑوں شکوے زباں تک آئے آ کر رہ گئے

کس کی میّت کو دبا کر چل دیئے ہیں اقربا
دیکھنے والے کلیجے کو دبا کر رہ گئے

دیدۂ حسرت سے مصلحؔ اس نشیمن کو نہ دیکھ!
وہ چمن بھی ہیں یہاں جو مٹ مٹا کر رہ گئے

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ خدمتِ اسلام کا روشن مینار تھے

(از جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور)

خاکسار کو حضرت حافظ صاحبؓ مرحوم کی تقریریں سننے، اُن کے درس میں شامل ہونے اور اُن سے گفتگو کرنے کے بہت سے مواقع حاصل ہوئے۔ چند تاثرات درج ذیل ہیں:-

(۱)

غالباً ۱۹۱۵ء کا واقعہ ہے۔ خاکسار دسویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ حضرت حافظ صاحبؓ مسجد احمدیہ کپورتھلہ میں تقریر فرما رہے تھے۔ آپ مسجد کی درمیانی محراب میں کھڑے تھے۔ صحن مسجد اور مسجد کا کمرہ سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ اثنائے تقریر میں حافظ صاحبؓ نے بائیبل کی ایک عبارت کا حوالہ دیا۔ سامعین میں سے ایک عیسائی مناد جھٹ اُٹھا کہ بائیبل میں یہ عبارت اس طرح نہیں آئی۔ یہ سنتے ہی حافظ صاحبؓ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ابھی بائیبل لائی جائے۔ چنانچہ بائیبل لائی گئی اور اس عیسائی کے ہاتھ میں دیدی گئی۔ لیکن وہ عیسائی مناد ورق گردانی کرنے کے بعد اپنا مزعومہ حوالہ بائیبل سے نہ نکال سکا اور اس نے یہ بہانہ بنایا کہ وہ اپنی ذاتی بائیبل دیکھ کر ہی حوالہ نکال سکتا ہے۔ مجھے فوراً ایک ستم ظریفی سوجھی اور میں عیسائی مذکور کے گھر کی طرف سرپٹ دوڑ گیا اور اس کی بیوی سے میں نے کہا کہ صاحب کو اپنی بائیبل کی ضرورت ہے وہ دے دیجئے۔ اس نے کتاب مجھے دیدی اور میں بھاگ کر مسجد میں واپس پہنچا۔ عیسائی مذکور سے لے دے ہو رہی تھی اور وہ مصر تھا کہ اس کی اپنی بائیبل ہو تو حوالہ نکالا جا سکتا ہے۔ میں نے فوراً اس کی اپنی بائیبل اس کے ہاتھ میں پکڑا دی کہ ؎ دروغ گو را تا بخانہ باید رسانید۔

چنانچہ اس بے بسی کی حالت اس نے تلاش کر کے حوالہ نکالا جو من وعن حضرت حافظ صاحب کے بیان کردہ الفاظ میں تھا۔ جس سے سامعین کو حیرت اور مسرت ہوئی اور عیسائی مذکور "فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ" کا مصداق ہو گیا۔

اس کے بعد حافظ صاحب جو اب تک بیٹھے رہے تھے کھڑے ہوئے اور آپ نے تقریر جاری رکھی۔

تقریر ختم ہونے کے بعد خاکسار نے حافظ صاحبؓ سے معلوم کرنا چاہا کہ آپ کے اس طرح تقریر کو روک کر بیٹھ جانے کی کیا وجہ تھی۔ تو آپ نے مجھے فرمایا۔ یہ شخص دینِ اسلام چھوڑ کر عیسائی ہوا ہے اور میں ایسے شخص کو پورے طور پر سرِ محفل مغلوب کئے بغیر آگے نہ چلنا چاہتا تھا۔ حافظ صاحب کے خداداد حافظے، خود اعتمادی اور غیرتِ دینی کے متعلق مندرجہ بالا واقعہ ایک واضح ثبوت ہے۔

(۲)

رمضان شریف میں حافظ صاحبؓ لوگوں کو قرآن شریف کا درس دیا کرتے تھے یعنی ایک سپارہ یومیہ۔ آپ اس منظر کا اندازہ لگائیں کہ جون جولائی کی شدید گرمی ہے حافظ صاحب سر پر ایک گیلا تولیہ ڈالے ہوئے ہیں۔ مسجد اقصٰے درس سننے والوں سے پُر ہے۔ حافظ صاحبؓ نے ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھا ہے۔ ایسے لحن اور

عشق سے کہ سامعین اسی میں کھوئے گئے۔ پھر ایک رکوع کا لفظی ترجمہ حافظے سے بیان کیا اور لغت کے نکات، عربی اشعار، توریت و انجیل کے حوالجات سند کے طور پر حافظے سے بیان کئے۔ اور پھر اس رکوع کی تفسیر کی ہے اور سامعین دنیا و مافیہا سے بے خبر روزے کی حالت میں حافظ صاحب کے درس سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اسی طرح باقی رکوعات کا درس جاری ہے اور علم و فضل کی بارش ہو رہی ہے۔

(۳)

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر حافظ صاحب تقریر فرماتے تھے جو بے نظیر منطقی ترتیب اور یقین آموز قرآنی دلائل سے آراستہ ہوتی تھی۔ تقریر کا یہ عالم ہوتا تھا۔ کہ پانچ سات منٹ تقریر کی اور پھر قرآن شریف کی آیات پڑھیں۔ ایسے سوز و گداز اور خوش الحانی سے کہ سامعین کی روح تازہ ہو گئی۔ حافظ صاحب کی تقریر ہو یا درس دونوں میں ایسی کشش ہوتی تھی کہ کوئی شخص کبھی تکان محسوس نہ کرتا تھا اور مجلس سے اٹھنا نہ چاہتا تھا بلکہ ہمہ تن گوش ہو کر تقریر سنتا تھا۔ اور سننے والے پر یہ کیفیت طاری ہوتی تھی کہ ؎

فتاد سامعہ در موجِ کوثر و تسنیم !

(۴)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تقریر میں حافظ صاحب بالعموم حضور کے قریب بیٹھتے تھے اور حضور کو اگر کبھی کسی قرآنی حوالے کی ضرورت پیش آتی تو حافظ صاحب اشارہ پاتے ہی وہ آیت پڑھ دیتے تھے۔ گویا حافظ صاحب ایک کلید قرآن تھے جو ہر مضمون کی آیت کو فوراً بیان کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں حافظ صاحب کا یہ بھی کمال تھا کہ وہ ہر طبقے کے شایانِ حال تقریر فرماتے تھے۔ تصوف، فلسفہ، منطق، موجودہ سائنس کے مسائل بیان کرتے تھے اور اِس بات کا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ سامعین پرانی تعلیم والے ہیں یا یورپ کے فلسفے سے متاثر لوگ ہیں اور کونسی علمی دلیل ان کے مناسب حال ہے۔ "تکلّموا الناس علیٰ قدرِ عقولھم" کا اصول حافظ صاحب ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور ان کی تقریر کا مؤثر اور کامیاب ہونا اس وجہ پر بھی مبنی تھا۔

(۵)

حافظ صاحب کی بینائی اِس قابل نہ تھی کہ وہ پڑھ لکھ سکیں۔ کسی تحریر کو آنکھوں کے ساتھ لگا کر بمشکل پڑھتے ہوئے مَیں نے انہیں دیکھا ہے۔ آپ کا علم نہایت کثیر تھا جو آپ نے سُن کر حاصل کیا تھا جو دل اور دماغ کے ہر گوشے میں رچا ہوا تھا۔ گویا آپ ایک چلتی پھرتی لائبریری تھے۔ ۱۹۲۱ء کے قریب ایک جغرافیائی مسئلہ پیدا ہوا کہ رمضان شریف کے اندر جن ملکوں میں ۱۶، ۱۸ یا ۲۰ گھنٹے کا دن ہوتا ہے وہاں کے باشندوں کے لئے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ فقہی اور جغرافیائی تھا جس کی تحقیق کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے حافظ صاحب کو مقرر فرمایا کہ دو دن کے اندر اپنی رپورٹ پیش کریں۔ اور مخدومنا حضرت میرزا بشیر احمد صاحب سے بعض جغرافیائی امور میں حافظ صاحب مدد لیں۔ حافظ صاحب نے اپنے شاگردوں کو اس کام پر لگا دیا اور مختلف فقہی کتابوں کی طرف ان کی راہنمائی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اِس مسئلہ پر حافظ صاحبؓ نے ایک سیر حاصل رپورٹ وقت مقررہ کے اندر حضور کی خدمت میں گذارش کر دی۔ یہ نقشہ میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ حافظ صاحبؓ مسجد مبارک قادیان کی سیڑھیوں پر چڑھ رہے ہیں اور آپ کے شاگرد محترم مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ (اور غالباً محترم مولانا ابوالعطاء صاحب بھی) کتابیں لئے حافظ صاحبؓ کے ساتھ ساتھ ہیں تاکہ رپورٹ حضور کی خدمت میں پیش ہو جائے۔

(۶)

الفرقان کا یہ خاص نمبر حافظ صاحبؓ کی یاد میں ہے۔ کس چیز کی یاد؟ اپنی تمام خداداد طاقتوں، علم و فضل، دل اور دماغ، اور ہر حرکت و سکون کو سلسلہ احمدیہ یعنی حقیقی اسلام کی خدمت میں ہمہ تن لگا دینے اور اسی راہ میں جان دے دینے کی یاد، اللہ تعالےٰ حضرت حافظ صاحب مرحومؓ پر اپنے بڑے فضل فرمائے کہ انہوں نے آنے والی نسلوں کیلئے علم و فضل کا ایک بلند معیار اور سلسلہ کی خدمت کا ایک روشن مینار رہتی دنیا تک یادگار چھوڑا ہے۔

من المؤمنین رجالٌ صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہٗ ومنھم من ینتظر ؎

احمدیت کا جہاں میں بول بالا کر گیا

(از نظم حضرت مولوی محمد نواب خان صاحب ثاقب میلر زاخانی مرحوم)

کون ایسا درسِ قرآں اب سنائے گا ہمیں
کون اب رفق و مدارا سے بٹھائے گا ہمیں

طوطیٔ شکر شکن کے آہ وہ نغمے کہاں
کون حقانی ترانے اب سنائے گا ہمیں

ہے ہزارِ نغمہ سنجِ احمدیت دم بخود
وجد میں اور بے خودی میں کون لائے گا ہمیں

اُف جگانے والے نے ملکِ بقا کی راہ لی
دیکھئے اب کون غفلت سے جگائے گا ہمیں

خار بن کر اِک خلش پیدا کرے گا روز و شب
درد اب اس کی جُدائی کا ستائے گا ہمیں

بن کے سودائی پھریں گے دشت و صحرا چھانتے
اس کا سودا ہے کہ دیوانہ بنائے گا ہمیں

ایک نشہ تھا کہ جس میں چُور رہتے تھے مدام
کون ایسا ساغرِ صافی پلائے گا ہمیں

رُوٹھ کر احباب سے وہ مست ساقی اٹھ گیا
بن کے مستِ ساغرِ صہبائے ساقی اُٹھ گیا

پُر ارادت کتنے شاگرد اپنے پیدا کر گیا
نوجوانوں کو علومِ حق کا شیدا کر گیا

رہ کے بیمارِ محبت نرگسِ مستانہ وار
اپنے شاگردوں کو مستِ چشمِ شہلا کر گیا

مرنے والے میں اثر تھا عیسوی انفاس کا
زندۂ جاوید اِک دنیا کو زندہ کر گیا

پرتو تھا اس میں نورالدین عالیجاہ کا
نورِ دینِ احمدِ والا - دوبالا کر گیا

وعظ شوکت سے بھرے کہہ کر با آوازِ بلند
احمدیت کا جہاں میں بول بالا کر گیا

منکرینِ دین کو نیچا دکھا کر چل بسا
کلمۂ اسلام کو دُنیا میں اونچا کر گیا

ہوگئیں کمزوریاں بیماریاں کافور سب
نام اچھا لے گیا اور کام اچھا کر گیا

احمدِ والا نشاں کا نام لیوا چل بسا
لے کے نام اللہ کا جانِ مسیحا چل بسا

حضرت حافظ روشن علیؓ

"جیسا نام ویسا کام"

(خواجہ حسن نظامی دہلوی)

(از جناب میاں محمد ابراہیم صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ)

انجمن اسلامیہ قلعہ جموں کے بعض متدین اراکین اپنے سالانہ جلسوں میں مختلف الخیال مذہبی لیڈروں کو شمولیت کی دعوت دیا کرتے تھے۔ چنانچہ میری یادداشت کے مطابق ۲۴-۱۹۲۳ء میں انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے (امیر غیر مبائعین) اور خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی سے بھی تشریف لانے کی درخواست کی۔ حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مشاورت میں مصروفیت کی وجہ سے معذرت فرمائی اور انجمن اسلامیہ کے اصرار پر حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کو اپنی نیابت کے لئے بھجوا دیا۔

مسلم ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جس جلسہ کا میں ذکر کر رہا ہوں خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم اس کے صدر تھے۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے فضائل قرآن پر خطاب فرمایا۔ لیکچر کیا تھا قرآن کریم کے محاسن اور اس کی فضیلت اور برتری پر ایک عالمانہ تبصرہ تھا۔ قرآن کریم کے دعاوی کا ذکر اور قرآن کریم سے ہی دلائل کا اظہار تھا۔ جو حضرت حافظ صاحبؓ کے قرآنی علم و فضل کا واضح ثبوت تھا۔ جملہ حاضرین نے اس لیکچر کا ایک ایک لفظ نہایت دلچسپی اور شوق سے سُنا اور اپنے ایمانوں کو تازہ کیا۔ اس روز ہر مسلمان کہلانے والا اپنے اندر ایک فخر محسوس کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب عطا فرمائی وہ کس قدر اعلیٰ اور افضل ہے۔ اور دیگر کتب سماوی کے مقابلہ میں اس کا درجہ کس قدر بلند و بالا ہے۔

حاضرین جلسہ مسحور ہو چکے تھے کہ حافظ صاحبؓ کا لیکچر ختم ہوا اور پھر صاحب صدر جن کے متعلق یہ بدظنی ہو سکتی تھی کہ ایک خاص مسلک سے تعلق رکھنے کی وجہ سے شاید فراخدلی اور اظہارِ حقیقت سے کام لینا مصلحتِ وقت نہ سمجھیں خصوصاً ایک ایسے مجمع میں جس میں ان کے اپنے مرید اور عقیدت مند بکثرت موجود تھے۔ لیکن حاضرین کے دلوں میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کی صاف گوئی اور بے لاگ تبصرہ نے ایک خاص مقام پیدا کر لیا۔ جب انہوں نے اپنے صدارتی ریمارکس میں فرمایا کہ:-

" اس سے پہلے مجھے احمدیوں کے

خیالات سننے کا موقع نہیں ملا تھا میں سمجھتا تھا ان کے عقاید عام مسلمانوں سے بہت مختلف ہیں اور ان کا علم بھی سطحی ہے۔ لیکن حافظ روشن علی صاحب کا آج کا لیکچر سن کر میری غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں اور مجھے حقیقت کا علم ہو گیا ہے۔ قرآن کریم کے متعلق جماعت احمدیہ کا علم ٹھوس اور لائق صد تحسین ہے۔ روشن علی صحیح معنوں میں قرآن کریم کے عاشق اور عالم ہیں اور جیسے ان کا نام روشن ہے ویسے ہی کام بھی روشن ہے۔"

اسی اثر اور علم کا نتیجہ تھا کہ حضرت حافظ صاحبؓ جب اسی سال جماعت احمدیہ جموں کے جلسہ پر تشریف لائے تو اسی ہال میں اسی انجمن کے صدر محترم ریاست جموں کے مقتدر اور مقبول لیڈر شیخ عبد العزیز صاحب ایڈووکیٹ کی صدارت میں اہالیانِ جموں نے حافظ صاحب کی زبان مبارک سے ہمہ تن گوش ہو کر صداقتِ مسیح موعود علیہ السلام کے موضوع پر تقریر سنی اور پھر آپ کے اس عشق قرآن اور علم و فضل سے متاثر ہو کر ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن نے جس کے کرتا دھرتا ان دنوں چوہدری غلام عباس صاحب قائد تحریک آزادیٔ کشمیر تھے۔ حضرت حافظ صاحبؓ کو اپنے جلسہ میں بھی تقریر کرنے کی دعوت دی۔ مؤثر اور دلکش قرأت، پھر قرآنی علوم کی تفسیر اور کلام میں تاثیر آپ کی منفرد خصوصیات تھیں۔ آپ کا علمی معیار اس قدر بلند اور کلام میں اس قدر کشش اور ندرت تھی کہ باوجود عقائد میں اختلاف کے تمام وہ معزز اور غیر متعصب مسلمان گو

گو آپ کے گرویدہ اور مداح تھے جنہیں آپ کا درس یا لیکچر سننے کا موقع ملا ٭

حاضرین پر چھا جانے والا مقرر

(از جناب قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد پشاور)

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ غالباً دو دفعہ پشاور تشریف لائے ہیں۔ ایک دفعہ موسم گرما جون جولائی ۱۹۱۲ء میں۔ جب حضرت مولانا غلام حسین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر بابت خلافتِ ثانیہ تقریریں کیں اور خاکسار نے جواب دیا تھا۔ (اس وقت تک خاکسار نے ابھی خلافتِ ثانیہ کی بیعت نہ کی تھی بعد ازاں جلدی بیعت کر لی) حضرت حافظ صاحب خوش الحان، عالم باعمل، عمدہ مقرر، اور مباحثات میں حاضر جواب اور ماہر انسان تھے۔ حضرت مولانا عبد الکریم رضی اللہ عنہ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا تھا کسی قدر حضرت حافظ صاحبؓ نے پورا کر دیا تھا۔ مگر حافظ صاحبؓ کے بعد ایسا خوش الحان مقرر پھر میں نے نہیں دیکھا۔

دوسری دفعہ ہماری جماعت احمدیہ مبایعین پشاور نے ایک جلسہ پھر منعقد کیا جو کہ سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جلسہ تھا۔ حضرت حافظ صاحبؓ نے سیرتِ محمدیہ پر تقریر فرمائی۔ اس تقریر نے سب سامعین کو مبہوت کر دیا۔ بہت سی خوبیاں تھیں حضرت حافظ صاحب میں۔ ایسا مقرر خوش الحان، حاضرین پر چھا جانے والا مقرر پھر نہ ملا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے آمین ٭

مثالِ انبیاءِ بنی اسرائیل حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ

(از قلم جناب میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی)

میں ۱۹۱۶ء میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا اور بورڈنگ میں رہتا تھا کہ مجھے حضرت حافظ صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درسِ قرآن سننے کا شوق ہوا۔ آپ بعد نماز مغرب مسجد اقصیٰ میں درس دیا کرتے تھے اور ان دنوں انتیسواں ۲۹ سیپارہ زیرِ درس تھا۔ آج تک حضرت حافظ صاحبؓ کی وہ نہایت شیریں، دلکش اور پُرسوز آواز میرے کانوں میں گونجتی ہے۔ میں بچہ تھا آپ کی علمی وسعت کا اندازہ کرنا اس وقت میرے لئے ممکن نہ تھا لیکن ایک بات کا اثر اس وقت بھی میرے دل پر جاگزیں ہو گیا کہ حلِّ لغات کے لئے مرحوم اس کثرت سے شعراء متقدمین و متاخرین کی اسناد پیش فرماتے تھے کہ اور کسی کے مُنہ سے میں نے اس طرح اسناد پیش ہوتے نہیں سُنا۔ آپ کچھ اس دلآویز انداز سے قرآن کریم پڑھاتے کہ اس درس کی شمولیت کی راہ میں کوئی روک نہ بن سکتی تھی۔

عصر سے مغرب تک حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز یا حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ کا درسِ قرآن ہوتا تھا اور اس میں بورڈنگ کے سب بچے شامل ہوتے تھے لیکن میں مغرب بھی شہر ہی میں پڑھتا تھا اور حضرت حافظ صاحبؓ کے درس میں شمولیت کے لئے وہیں رہ جاتا۔ یہ حضرت حافظ صاحب کی پہلی کشش تھی جو آپ کے لئے میرے دل میں پیدا ہوئی۔ اُس زمانے میں رمضان المبارک میں آپ ہی سارے قرآن کریم کا اکیلے درس دیا کرتے تھے۔ پہلے قرآن کریم تلاوت فرماتے اور اس میں مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی حافظہ نے وفا نہ کی ہو اور آپ کو یاد تازہ کرنے کے لئے کوئی آیت دوہرانا پڑی ہو۔ تلاوت ختم کر کے آپ ترجمہ شروع فرماتے اور حافظے کا کمال اس میں بھی ایک نیا لطف پیدا کرتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ترجمہ بھی آپ کو حفظ ہے کسی آیت کے ترجمہ کے لئے آپ کو آیت دہرانا نہ پڑتی۔ ساتھ ساتھ مشکل آیات کی تفسیر بھی فرماتے تھے۔ اُس زمانہ میں رمضان کے روزے مسلسل کئی سال شدید گرمیوں میں آئے۔ آپ کی طبیعت میں بڑی بے تکلفی تھی۔ پانی کے گھڑے آپ کے لئے بھر دیئے جاتے۔ اکثر آپ کھلی جگہ پر ہی غسل فرما لیتے اور کبھی گھڑے آپ پر ڈالے جاتے پھر آپ درس شروع فرما دیتے۔ ایک چادر پانی میں بھگو کر آپ اپنے جسم پر لے لیتے اور مصروفِ محنت رہتے۔ عصر کے وقت پھر آپ اسی طرح غسل فرما لیتے اور عصر کے بعد بھی مقررہ منزل ختم کرنے تک درس جاری رکھتے۔ بعد نماز عشاء آپ نماز تراویح پڑھاتے۔ قرآن بلحاظ خدائے لایزال و لم یزل کا اپنا کلام ہونے کے نہایت ہی شیریں اور دلآویز کلام ہے اس پر آپ کا لحنِ داؤدی اور قلبِ پاک کچھ ایسی کیفیت پیدا کرتے کہ اکثر دل وجد میں آجاتے۔ ہماری جماعت میں حضرت مولانا عبد الکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کی پُرشوکت و شیریں آواز کی تمام پرانے صحابہ بے حد تعریف کرتے ہیں۔ میں نے حضرت مولانا مرحوم کی آواز

نہیں سُنی کیونکہ آپ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں فوت ہو گئے تھے۔ اور میں اس وقت ابھی پانچ سال کا بچہ تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت صوفی غلام محمد صاحبؓ مبلغ ماریشس آپ کے اندازِ تلاوت کا تتبع فرمایا کرتے تھے لیکن تلاوت بہت حد تک ذاتی بات ہے اور تتبع سے وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو اصل میں موجود ہوتی ہے۔ میں نے جماعت احمدیہ میں اپنی ہوش میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ سے زیادہ دلربا و دلکش و شیریں تر انداز میں تلاوت کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔

حضرت حافظ صاحبؓ کے علم کا اندازہ کرنا میرے جیسے جاہل انسان کے لئے ممکن نہیں لیکن ایک بات نہایت ہی روشن تھی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت بے نظیر حافظہ عطا کیا تھا۔ میں نے خود ان سے سُنا۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مجھ سے کسی نے پوچھا کہ حافظ صاحب! کیا آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "اعجاز المسیح" پڑھی ہے؟ میں نے کہا کتاب کھولو۔ اس نے کھولی اور میں نے اسے سینتیس صفحے زبانی سُنا دیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سارا کلام اس حافظے کے عالم نے سُنا اور پڑھا ہوا تھا۔ اسی ایک بات سے آپ کی علمی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں اپنے مکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا مغرب کے بعد کا وقت تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے بے تکلفی سے کہا کون؟ جواب ملا۔ "نور الدین"۔ میں فرطِ محبت سے فوراً دروازہ کھولنے کے لئے دوڑا تو دیکھا کہ اس یگانۂ روزگار، عالمِ بے بدل، عالمِ باعمل نے کافی کتابیں خود بنفسِ نفیس اٹھائی ہوئی ہیں۔ وہ کتابیں مجھے دے کر فرمایا کہ یہ لو اور پڑھو۔

حضرت علامہ نور الدین رضی اللہ عنہ جو محنت آپ پر فرمایا کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت حافظ صاحبؓ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضور نے صبح سے مجھے پڑھانا شروع کیا یہاں تک کہ ظہر کے قریب کا وقت ہو گیا۔ مجھے شدید بھوک لگی۔ اس وقت وہیں درس لیتے لیتے میں نے کشف میں دیکھا کہ دو فرشتے آئے ہیں اور گرم گرم پراٹھے میرے سامنے رکھ دیئے جو میں نے وہیں بیٹھے کھا لئے اور میری بھوک مٹ گئی اور اُن پراٹھوں کا مزہ درس کے بعد بھی میرے منہ میں قائم رہا۔ خدا کے اس سلوک کا مزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ نور الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس محبت اور شوق سے اپنے شاگردوں کے ساتھ سلوک فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں بینائی کی اپنی کمزوری کو ہمیشہ یاد رکھتا تھا اور مجھے ہر وقت یہ احساس رہتا تھا کہ نور الدینؓ جیسا انسان پھر مجھے پڑھانے کے لئے نہ مل سکے گا اور میری خود اتنی بینائی نہیں کہ خود کوئی علم حاصل کر سکوں۔ اسلئے یہی موقعہ ہے۔ اِن حالات میں مجھے اس موقعہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اس احساس کی بنا پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انوار و برکات اور علومِ لدنیہ اور اپنے استادِ باکمال حضرت علامہ نور الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم و کمالات کیلئے ایک جوہڑ (تالاب) بن گئے۔ اور ان سب انوار و علوم کے سرچشمہ کا قطرہ قطرہ اپنے ذہنِ رسا میں محفوظ کر لیا۔

ہمارے موجود الوقت علماء مولانا شمس صاحب، مولانا ابو العطاء صاحب، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی، مولوی ظہور حسین صاحب، ابو البشارت مولوی عبد الغفور صاحب وغیرہ سب آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مولوی ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری اپنی سند مولوی فاضل پر ناز کیا کرتے تھے اور بعض اوقات جب حضرت حافظ صاحبؓ سے مناظرہ ہوتا تو وہ اپنی مولوی فاضلی کی ڈینگ مارا کرتے لیکن جب مولانا شمس اور مولانا ابو العطاء صاحب وغیرہم اپنے عنفوانِ شباب ہی میں مولوی فاضل

ہو گئے اور یونیورسٹی میں نتائج کے لحاظ سے بہت بلند مقام حاصل کیا تو مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس شیخی کی کچھ ایسی کرکری ہوئی کہ پھر یہ بات ان کے گلے میں پھنس کر رہ جاتی تھی۔

حضرت حافظ صاحبؓ فاضل ہی نہ تھے فاضل گر تھے اور اُن علماء اُمت میں سے تھے جن پر کانبیاء بنی اسرائیل کی حدیث صادق آتی ہے۔

حضرت حافظ صاحبؓ کی طبیعت میں جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے بڑی ہی بے تکلفی اور سادگی تھی۔ میں کالج میں پڑھتا تھا بعض اوقات جب مجھے علم ہو جاتا کہ آپ لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں تو میں درخواست کرتا کہ آپ میرے پاس قیام فرمائیں۔ آپ ازراہِ شفقت و احسان اِس ذرّہ بے مقدار کی ایسی درخواست قبول فرما لیا کرتے۔ اِس سے ہوسٹل کے مکینوں کو جو فائدہ پہنچتا اُس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اُس زمانے میں حِبّی فی اللہ محترم ملک غلام فرید صاحب، محترم صوفی محمد ابراہیم صاحب، حضرت شیخ یوسف علی صاحب مرحوم، حِبّی فی اللہ محترم مرزا عبدالحق صاحب، حِبّی فی اللہ اخویم شیخ محمد احمد صاحب مظہر، محترم ڈاکٹر شیخ سردار علی صاحب، محترم صوفی غلام محمد صاحب، حضرت سید عزیز اللہ شاہ صاحب اور حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب مرحوم اور محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب وغیرہم ہوسٹل میں قیام پذیر تھے۔ آپ کی آمد سے ایک عجب مجلس لگتی اور حضرت حافظ صاحب کے مُنہ سے علوم و معارف کے پھول جھڑتے۔ ظاہر ہے کہ طالب علموں کے پاس انہیں ظاہری راحت و آرام کب مل سکتا تھا صرف اور صرف محبت و شفقت و نوازش تھی کہ اپنے مقام سے یکسر بے نیاز ہو کر آپ ہم جیسوں میں آ کر ٹھہر جاتے۔

حضرت حافظ صاحبؓ کی مصروفیات کے سلسلہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ یوسف علی صاحب مرحوم اور اِس عاجز نے درخواست کی کہ ہمیں سبع معلقات پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ صبح کی نماز سے لے کر عشاء کے بعد تک میرا یہ پروگرام ہے۔ صرف نماز تہجد اور فجر کے درمیان کچھ وقت مجھے فارغ ملتا ہے اگر اس وقت آ سکو تو میں پڑھانے کو تیار ہوں، اس کے سوا ایک لمحہ بھی فارغ نہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ حضرت حافظ صاحب مجھ پر شفقت فرماتے ہیں اگر کوئی وقت فارغ ہوتا تو آپ انکار نہ فرماتے لیکن ارشاد فرمودہ وقت پر جا کر حضرت کو تکلیف دینا تکلیف مالا یطاق ہے اسلئے ہم نے یہ تکلیف نہ دی اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مرحوم کی خدمت میں درخواست کی جو آپ نے قبول فرمالی۔

حضرت حافظ صاحب مرحومؓ معمولی سے تعلق کو بھی نہایت ہی محبت و وفاداری سے نبھاتے تھے۔ میں قانون کے امتحان میں فیل ہو گیا تھا اور مجھے اپنی مالی مشکلات کے پیشِ نظر حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ کے ہاں چند مہینوں کے لئے بسلسلۂ تعلیم نوابزادگان محمد احمد خان صاحب و مسعود احمد خان صاحب شیروانی کوٹ میں ملازمت کرنا پڑی تھی۔ حضرت حافظ صاحبؓ کو حضرت نواب صاحب سے بہت دیرینہ تعلق تھا۔ آپ شیروانی کوٹ تشریف لائے تو میری سفارش بایں الفاظ فرمائی:۔

"ساڈے منڈے دا خاص خیال رکھنا"

یعنی ہمارے لڑکے کا خاص خیال رکھیں۔

میں نے ایل ایل بی کا امتحان دیا تو ایک اور محترم دوست نے حضرت حافظ صاحبؓ کی خدمت میں دعا کی درخواست کی تو جواب میں فرمایا کہ مجھے تو آجکل ایک ہی کی فکر لگی ہوئی ہے۔ اور پھر اِس عاجز کا نام لیا۔

طبیعت میں فراخی اور قناعت کا عجیب عالم تھا۔ قناعت کے سلسلہ میں جس سرور کی کیفیت سے حضرت اپنی یہ بات بیان فرمایا کرتے تھے اس سے ان کے قلب کا پورا

نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ فرماتے اور ہنس کر فرماتے کہ جب میں ملازم ہوا تو میری پانچ روپے تنخواہ لگی تھی میری شادی ہوئی تو دس ہوگئی۔ میرے ہاں لڑکی ہوئی تو پندرہ ہوگئی۔ میں نے سمجھا کہ خزانۂ غیب سے پانچ ہی پانچ ہمارے لئے مقرر ہوئے ہیں۔!!

آپ کی ایک آنکھ بالکل ضائع ہوچکی ہوئی تھی اور دوسری آنکھ میں جو خدا کے فضل سے خوب ہوئی تھی اس میں بھی بینائی کے لحاظ سے نقص تھا۔ بظاہر ایسا چہرہ خوبصورت نظر نہیں آسکتا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کے چہرے پر کچھ ایسا نور تھا کہ ان نقائص (خاکم بدہن) کے باوجود آپ واقعہ میں ایک حسین وجود تھے اور نورِ الٰہی چہرے پر برستا تھا۔ آپ شگفتہ اور بہت شیریں گفتار بزرگ تھے۔ گفتگو میں تلخی بہت کم آتی، ہاں اشدّاء علی الکفّار پر پورا عمل تھا۔ میں نے ایک بات خصوصیت سے آپ میں پائی جو یہ تھی کہ آپ اگر کوئی وزنی اعتراض ہو تو بعض علماء کی طرح فوراً جواب دینے کی کوشش نہ فرماتے اور اس میں اپنی کوئی علمی توہین محسوس نہ کرتے کہ اعتراض کا فوری جواب کیوں نہیں دیا گیا اور یہ آپ کی نہایت درجہ وسیع حوصلگی اور عادتِ تدبر اور علمی وسعت کی ایک دلیل تھی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے رمضان المبارک کے درسوں میں بالکل مبتدی شاگردوں کی طرح دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے سوالات پوچھتے رہتے۔ اور فرماتے کہ سوال کرو، ثمردار بیری کو اگر ہم روڑا ماریں گے تو بیر ہی گرے گا۔ بایں علم و فضل آپ قطعاً محسوس نہ کرتے کہ جامع و مانع جوابات کے بعد کسی کو یہ شبہ نہ پیدا ہو جائے کہ حضرت حافظ صاحبؓ کا علم زیادہ نہیں ہے۔

طبیعت میں کافی مزاح تھا۔ ۱۹۲۴ء کے سفر یورپ سے واپس تشریف لائے تو انگریزی کے فقرے بولتے تھے اور چہرے پر بڑا تبسم ہوتا تھا۔ اگر آپ چھ ماہ یا ایک سال انگلستان میں قیام فرما لیتے تو انگریزی زبان میں بھی مہارت پیدا کر لیتے۔

کھانے پر بیٹھتے تو بہت ہی بے تکلفی سے باتیں کرتے۔ اکثر فرماتے "کی مال اے" یعنی کیا چیز ہے۔ میٹھا کھانے کا شوق نہ تھا لیکن اپنے شاگردوں کی فرمائش ضرور پوری کراتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام بہت ہی یاد تھا ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے مقاماتِ حریری کو پڑھا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام بھی پڑھا ہے، بلحاظ ادب آپ کا ارشاد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ میرا یہ سوال اپنی جہالت اور علمی بے مائیگی پر مبنی تھا ورنہ چہ نسبت خاک را بعالمِ پاک۔ لیکن حضرت حافظ صاحب نے جس پیارے انداز سے جواب دیا اس سے روح پھڑک اٹھی۔ فرمایا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں وہ ادبیت اور وہ شان ہے کہ روح سجدہ کرنے کو چاہتی ہے۔ فرمایا کہ حریری نے ایک مقامہ ذومعنی الفاظ کا لکھا ہے۔ اس میں ایک سوال یہ ہے هل يجوز للّذى قتل العجوز اور جواب میں لکھا ہے۔ انّهٗ لا يجوز۔ عجوز کے معنی بڑھیا کے ہیں اور عجوز پرانی شراب کو بھی کہتے ہیں لیکن اس جواب لا یجوز میں عجوز کے ہردو معانی کے قرائن موجود نہیں ہیں۔ اگر قتلِ عجوز سے مراد شراب میں پانی ڈال کر اسے پینا لئے جائیں تو اس کے لئے کوئی متبادر قرینہ موجود نہیں ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے امراء کا حال لکھتے ہوئے ایک جگہ پر تحریر فرمایا ہے۔ الشّابة على المتن والعجوز فى البطن۔ اب شابہ کے مقابل میں عجوز کے معنی متبادر طور پر ذہن میں بڑھیا ہی کے

آئیں گے لیکن لطف کا قرینہ رکھ کر مجوزہ کے دوسرے
معنی شراب کی طرف توجہ خود بخود پھیر دی۔ اس سے
اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حافظ صاحب جیسے فاضل انسان
کی نگاہ میں جن کی نظر عربی علم ادب کے چودہ سو سالہ
سرمایہ ادب پر تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا مقام تھا۔
حضرت حافظ صاحبؓ احمدیت کے ایسے عاشقوں
میں سے تھے کہ آپ کا جسم اور آپ کی روح سرتاپا
احمدیت پر فدا ہوئی۔ محترم جناب مرزا عبدالحق صاحب
نے مجھے سنایا کہ حضرت حافظ صاحب نے خواب میں
دیکھا کہ آپ لنگرخانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں
تشریف لے گئے ہیں اور وہاں کارکنان نے عرض کیا ہے
کہ مہمانوں کے لئے گوشت نہیں ہے۔ آپ نے جواب
میں فرمایا کہ میرے اعضاء کاٹ کر پکا لو۔ چنانچہ آپ
کے اعضاء کاٹے گئے اور آپ کو نئے اعضاء دیئے
گئے لیکن وہ اپنے جوڑوں پر ٹھیک طور پر جوڑے نہیں۔
اس خواب کی تعبیر اس طرح پوری ہوئی کہ ۱۹۲۸ء کے
جلسہ سالانہ کے ایام تھے کہ یکدم مسجد مبارک میں یہ خبر پہنچی
کہ حضرت حافظ صاحبؓ پر فالج گرا ہے۔ سننے والوں پر جو
گزری اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کئی تھے جن کی بے اختیار
چیخیں نکل گئیں اور بہت سے تھے جو فوراً سجدے میں گر گئے۔
احمدیت کے لئے ایسے جانباز سپاہی کہاں مل سکتے تھے
لوگوں نے بہت ہی دعائیں کیں۔ حضرت حافظ صاحبؓ
کو نئے اعضاء تو ملے لیکن واقعہ میں ان اعضاء کے
جوڑ ٹھیک طور پر نہ بیٹھے۔ اگلے سال مجلس مشاورت پہ
حضرت حافظ صاحب تشریف لائے۔ آپ نے تلاوت
قرآن کریم بھی کی لیکن وہ پہلی سی بات نہ تھی اور اسی سال
جون ۱۹۲۹ء میں آپ نے اپنی جان جان آفرین کے
سپرد کر دی

گرچہ جنس نیکواں ایں چرخ بسیار آورد
کم بزاید مادرے با ایں صفا دُرِّ یتیم

حضرت جنید بغدادیؒ کی وفات پر کسی مجذوب نے
جو اشعار پڑھے تھے وہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

واسفاً علیٰ فراقِ قومٍ
ھم المصابیح والحصون
والمدن والمزن والرواسی
والخیر والامن والسکون
لم تتغیر لنا اللیالی
حتّٰی توفّتھم المنون
فکل جمرٍ لنا قلوب
وکلّ ماءٍ لنا عیون

احباب سے بے تکلفی کی ایک مثال

۱۹۲۶ء میں جبکہ خاکسار مڈل سکول سرائے عالمگیر ضلع
گجرات میں مدرس تھا مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب پسر حضرت
حافظ مولوی فضل الدین صاحب مرحوم امیر جماعت احمدیہ کھاریاں
بطور ہیڈ ماسٹر متعینات تھے۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب
مرحوم سکول میں تشریف لائے۔ ہم نے پنڈ عزیز بھیجا تھا۔ تھوڑی
دیر کے بعد کھانے کے بارے میں حضرت حافظ صاحب سے ہیڈ ماسٹر
صاحب نے عرض کی کہ عموماً حافظ صاحبان حلوہ کو پسند فرماتے ہیں ہم
آپ کے لئے حلوہ ہی بنوائیں گے۔ حافظ صاحب کسی وقت مزاحیہ بات
فرمایا کرتے تھے سن کر فرمایا کہ "میں میٹھا حافظ نہیں سلونا حافظ ہوں"
یعنی حلوہ نہیں نمکین چیز کھاؤں گا۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحبؓ
کیلئے مُرغ پکوایا گیا۔ بعد طعام بہت خوش ہوئے دعائیں دیں۔
ان کے لئے ٹرالی کا انتظام ہوا۔ عملۂ سکول کو زریں ہدایات دیں
اور پنڈ عزیز روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحبؓ
کے درجات بلند کرے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے فدائی مرد مجاہد تھے۔

تیری شمعِ علم تیرے بعد بھی جلتی رہے

(از جناب محترم ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم مرحومؓ)

[ذیل کا نہایت مؤثر قصیدہ محترم جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم مرحومؓ امیر جماعت احمدیہ گجرات نے ۱۹۲۹ء میں حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات پر لکھا تھا۔ اب اسے دوبارہ عزیز عبدالباسط صاحب خادم کی خواہش پر شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے ——— (ایڈیٹر)]

ہر طرف ہے آج کیوں رنج و الم کا ہی سماں؟ آج کیوں تاریک ہے نظروں میں یہ سارا جہاں؟
کس کی فرقت کا ہے غم ہر اک کے سینے میں نہاں؟ کیوں ہماری بےکسی پر رو رہا ہے آسماں؟

آج کیوں آتے نہیں ہم میں نظر روشن علیؓ؟
ایک پل میں چل دیئے ہائے کدھر روشن علیؓ؟

اے علمبردارِ وحدت! حامیِ دینِ متیں! اے سراپا علم! تلمیذِ رشیدِ نورِ دیں!
ایک تُو تھا مہبطِ انوارِ ربّ العالمیں! ایک تُو تھا مشعلِ علم و ہدایت بہرِ دیں!

آج تیری موت نے سب کو پریشاں کر دیا!
حرف حرفِ آرزو حسرت کا ساماں کر دیا!

پیارے حافظ جی! ہے فرقت سخت ہم کو ناگوار ملّتِ موعودِ مرسل اس لئے ہے سوگوار
چشمِ ہر اہلِ بصیرت ہو گئی ہے اشکبار جوشِ وحشت سے میں کرنے کو ہوں دامن تار تار

جا رہے ہیں آپ ہم سے کس لئے مُنہ موڑ کر؟
اس قدر احباب کے حلقے کو گریاں چھوڑ کر؟

یاد وہ دن جبکہ ہم رہتے تھے سب شیر و شکر ۔ اور مقصد کچھ نہ بجز تبلیغ تھا مدِ نظر
یعنی دُنیائے ہُنَر کا ایک ہی تھا بحر و بر ۔ بلبلیں محوِ ترنم گردِ گُل تھیں بے خطر

کر دیا ہم کو پریشاں گردشِ ایام نے
کر لیا گُم دامنِ ظلمت میں دن کو شام نے

یاد ہیں ہم کو عنادل کی ترنم ریزیاں ۔ اور مرغانِ چمن کی ہر طرف نو خیزیاں
شبکہ برگِ گُل پہ شبنم کی تھیں عنبر بیزیاں ۔ بہرِ استیصالِ غم بادِ صبا کی تیزیاں

ایک جھونکے میں فنا بادِ خزاں نے کر دیا
آپ کو ہم سے جُدا اس آسماں نے کر دیا

وہ تری طرزِ ادا، رنگیں بیانی یاد ہے ۔ وہ ترا تقویٰ، تری قرآن دانی یاد ہے
جلسۂ سالانہ پر شیریں بیانی یاد ہے ۔ یاد ہے اے "لیڈرِ اسلام ثانی" یاد ہے

اب تو ہر سُو یاس کا عالم ہی آتا ہے نظر
تیری شمعِ زندگی کا آگیا وقتِ سحر

آپ کا ہم سے جُدا ہونا ہے ملنے کی دلیل ۔ یعنی اگلی زندگی ہو گی پنپنے کی دلیل
ظلمتِ شب ہے یقیناً دن نکلنے کی دلیل ۔ اور ہونا بندِ غنچے کا ہے کھلنے کی دلیل

اپنے مولا سے دُعا کرنا ہمارے واسطے
سلسبیلِ موت میں بہنا ہمارے واسطے

تجھ پہ مولیٰ کی ہزاروں رحمتیں روشن علیؓ! ۔ ہوں محمد کی میسّر شفقتیں روشن علیؓ!
تجھ کو جنت کی عطا ہوں نعمتیں روشن علیؓ! ۔ اور احمد کی مبارک صحبتیں روشن علیؓ!

احمدیت اِس جہاں میں پھولتی پھلتی رہے
تیری شمعِ علم تیرے بعد بھی جلتی رہے

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کا بلند مقام

(نتیجۂ فکر حضرت مولانا غلام رسول صاحب قدسی راجیکی)

نظم بزبانِ فارسی و عربی

اے عزیزِ خاطرِ قومِ ما، اے نزیلِ منزلِ منتہیٰ
أَسَفًا علی یوم الرحیل رحلت فیہ مفارقاً

نرود سرِ تو زیادِ ما، تو حبیبِ ما تو مرادِ ما
بفراق مثلك لوعة یدموع حبك من اذی

ہمہ حلم و رفق و موانست، ہمہ حسنِ خلق و محبتت
ھی فی القلوب بنقشھا بتأثر من ذکرھا

چہ بیاں کنیم ثنائے تو چہ عیاں کنیم بہائے تو
فقد النظیرك فی الزمان اذا رأوك تفردا

بہ نگاہِ عارفاں شانِ تو، بہ وسیع قدر و مکانِ تو
لك بالمعارج رفعة ولك المدارج بالعلیٰ

اے شہیدِ دین و نثارِ آں، اے سعید حاملِ بارِ آں
بعلوم دینك عزت لفیوض علمك عینھا

ہمہ حسنِ خُلق و خصالِ تو، شدہ مشعرے بہ کمالِ تو
لك بالمکارم عظمة ولك المحاسن بالثنا

بہ تو افتخارِ تلامذہ، بہ تو فخرِ جملہ اساتذہ
حسبوك من افرادھم متفرداً متوحداً

تو نشانِ برکتِ نورِ دیں، بدرونِ جملہ علومِ دیں
بتشکّراتك سعيه فتشكرته مستكملا

تو ز مخلصانِ امامِ تو، تو مریدِ صادق و باوفا
فظهور مثلك اٰية بلك لاح صدق مسيحنا

ز ہِ عشقِ تست فنا فنا، بہ وصالِ تست بقا بقا
يهداك فيه لاسوة لحياة من طلب الهدیٰ

ہمہ واصفانِ زبانِ تو، بہ کمالِ حسنِ بیانِ تو
فبحسن لحنك سكروا، سحروا بصوتك كالغنا

شدہ مردماں بمواعظت، ہمہ صوفیاں بمراقبت
بتواجد وتراقص متلذذين تأثرا

تو بحسنِ خوبیِ قراءتے، شدی بہرِ مصحفے عزتے
وبحفظه جوّدته لفظاً ومعنی باقتضا

ز عجائباتِ کلامِ تو، بہ دو غا سنانِ و حسامِ تو
واذا وعظت فانّه روی المعطش بالروی

تو بحربِ بحث و مناظرہ، بہ سلاحِ حالتِ حاضرہ
لقطعت صف محارب وقتلت خصمك في الوغیٰ

تو بمنع و نقض و معارضہ، چہ شدی مدافعِ عارضہ
لجعلت خصمك ساكناً وترضت قولك مفحما

بمصافِ درصفِ اولیں بہ جہادِ مثلِ مجاہدیں

هو خیر عسکر دیننا هو خیر حزب الهنا

بگروہِ صوفیاں باصفا، بگروہِ عارفاں مجتبیٰ

بتعبد و تزهد لنموذج لمن اتقیٰ

بصفاتِ کاملہ عالمے بہ گروہِ عالماں کاملے

هو بالمعارف عینها هو بالحقائق بحرها

گہے مہبطِ اسرارِ حق، گہے مطلعِ انوارِ حق

بکشوفها متشرف بکرامة لمسیحنا

ہمہ عاشقانِ مذاقِ او، شدہ در بکائے فراقِ او

فزع الکرام لهجرة اسفاً به وتألما

دلِ ما بدرد قریں شدہ، ز فراقِ یار حزیں شدہ

اسفاً بفرقة مثله لهفاً علیه بما جریٰ

عمرش گزشت بخدمتے پئے قوم و مذہب و ملتے

خدم الخلائق مخلصاً نفع الانام مؤیدا

رفع الاله مقامهٗ بلغ العلیٰ ومرامهٗ

واجیب دعوتنا لهٗ فکفی الجزا بد لا بها

ہوسم کہ من بجوارِ او، برسم بہ برکتِ یارِ او

أملاً بفیض مسیحنا قدسی ورحمة ربنا

نظام کی اطاعت کا ایک نمونہ

(از جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب)

حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ میرے اُن اساتذہ میں سے تھے جنہیں حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے عربی اور دینی تعلیم کے لئے متعین فرمایا تھا۔ وہ میرے استاد بھی تھے اور دوست بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے لوگوں کا نمایاں امتیاز یہ تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت میں بے تکلف اور دوستانہ رنگ رکھتے تھے۔ محبت سے اپنے شاگردوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے اور جو بات اُن کے مُنہ سے نکلتی ذہن اور دل میں اُتر جاتی اور اپنا اثر دیرپا چھوڑ دیتی۔ حضرت حافظ صاحب رضؓ مجھے اور مرزا برکت علی صاحب کو صرف و نحو کی ایک مصری کتاب پڑھایا کرتے تھے۔ مجھے ان دنوں ان قواعد کے سیکھنے میں کوئی رغبت نہ تھی اور میں سمجھتا تھا کہ عربی زبان کا سیکھنا بہت مشکل ہے۔ ایک دن انہوں نے مسجد مبارک میں ایک صرفی یا نحوی مسئلہ اپنی طرف سے پورے طور پر واضح کیا۔ دوسرے دن جب ہمیں پوچھنے لگے تو میں نے الٹ پلٹ جواب دیدیا۔ وہ ہنسے اور کہنے لگے "تو ہانوں عربی نہیں آون دی"۔ میں نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے مگر حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔

حضرت خلیفہ اوّل رضؓ نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ "انگریزی کی تعلیم جتنی ہمیں ضرورت ہے آپ نے پڑھ لی ہے اب نور الدین کی شاگردی اختیار کریں۔ جس راہ پر نور الدین چلائے گا وہ آپ کے لئے کامیابی کی راہ ہے"۔ اس ارشاد پر میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہی راہ اختیار کی جائے گی جس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل رضؓ بھی ان اساتذہ میں سے تھے جنہیں حضرت خلیفہ اول رضؓ نے مقرر فرمایا تھا۔ وہ مجھے منطق پڑھایا کرتے تھے۔ عیسیٰ غوجی میں نے ان سے پڑھی مگر کیا پڑھی، یہاں بھی میں صفر ہی تھا۔ اور اسی کم مائیگی کی حالت میں تحصیلِ علم عربی کے لئے مصر کی طرف میرا سفر ہوا۔

جب ۱۹۱۹ء میں واپس آیا تو ترکی کے حصے بخرے کئے جا چکے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ایک رسالہ بعنوان "ترکی کا مستقبل" تحریر فرمایا۔ مجھے یہ رسالہ بہت ہی پسند آیا۔ میں نے چاہا کہ اس کی عربی ممالک میں اشاعت ہو۔ چنانچہ میں نے اس کا قلم برداشتہ عربی میں ترجمہ کر دیا اور دوسرے دن جمعہ کے روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کو سنایا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا حافظ صاحب کو بھی سُنا دیں۔ دوسرے دن میں نے انہیں وہ رسالہ سُنایا۔ فرمانے لگے "جزاکم اللہ انت تحلّق فی علیاء فی سماء البلاغۃ"۔ میں نے کہا کوئی قابلِ اصلاح فقرہ۔ فرمانے لگے نہیں، اس میں تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے مجھے جواب دیا ہے کیونکہ میں بعض علماء کی تحریک پر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے پاس گیا تھا کہ اجازت ہو تو پتہ کیا جائے کہ شاہ صاحب عربی ممالک سے کیا کچھ پڑھ کر آئے ہیں چنانچہ اس کے بعد آپ سے بھی بات کی اور آپ نے سادگی سے جواب دیا۔ کچھ کتابوں کا نام لیا لیکن میں سمجھ گیا کہ آپ نے

اس سوال کو دُہرا دیا ہے۔ اور اب حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ مجھے جواب دے رہے ہیں۔ میں نے کہا میں آپ کا وہی شاگرد ہوں اور اب بھی اپنے آپ کو آپ کا شاگرد سمجھتا ہوں۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کا ایک میرا واسطہ شاگردی کا ہے اور دوسرا تعلق اُن سے اس وقت پیدا ہوا جب میں ناظر دعوۃ و تبلیغ تھا اور وہ بحیثیت استاذ مبلغین نظارت میں کام کرتے تھے۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب مکرم صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب اور بعض دیگر طلباء ان سے پڑھا کرتے تھے۔ میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ ان جیسا اطاعت شعار اور احکام کی تعمیل کرنے والا میں نے بہت کم دیکھا ہے۔ انہیں اس وقت ذرا احساس نہ ہوتا کہ ان کا شاگرد افسر ہے۔

حافظ صاحب رضی اللہ عنہ نے جس محنتِ شاقہ سے درس و تدریس میں اپنی جوانی خرچ کی وہ ایسی یاد ہے کہ کبھی بھلائی نہیں جا سکتی۔ رضی اللہ عنہ ؂

آہ! روشن دل روشن علیؓ

[ذیل کا اقتباس استاذی المحترم حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے مندرجہ بالا عنوان سے ایک مطبوعہ ۱۹۲۹ء (جو محمد عبدالحق صاحب مجاہد امرتسری گنج مغلپورہ لاہور نے بھجوایا) کا حصہ ہے ـــــــــــ (ایڈیٹر)]

"قرآن مجید کے قریباً سب سے زیادہ عالم تھے۔ اور صرف عالم ہی نہیں بلکہ نہایت متقی باعمل عالم تھے۔ آپ کا کیریکٹر قابلِ نمونہ اور ملامت اور اعتراض کے دھبوں سے صاف تھا۔ وذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔ آپ کو خدا تعالےٰ نے قبولیت بھی عطا فرمائی تھی۔ سب احمدی بچے، جوان، بوڑھے آپ سے محبت رکھتے تھے اور دل و زبان سے آپ کی خوبیوں کے قائل تھے۔ آپ نہایت بے شر تھے طبیعت نہایت مستغنی، کسی سے لالچ نہ تھا۔ آپ وجیہہ اور بارعب تھے۔ آپ پر رؤیائے صالحہ اور کشف کا دروازہ بھی کئی مرتبہ کھولا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت نورالدین اعظمؓ کو چھوڑ کر سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ کی وفات کے بعد کوئی حادثہ حافظ صاحب مرحوم کی وفات کے حادثہ جیسا نہیں ہوا۔ آپ نے ہندوستان کے قریباً تمام علاقوں میں تبلیغی دورے کئے۔ ہندوستان کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے ہمراہ آپ شام و مصر اور ممالک یورپ تک ہو آئے تھے۔ ملک شام میں آپ کی تقریروں اور مباحثوں کی دھوم مچ گئی تھی۔ آپ سلسلہ عالیہ کے مفتی تھے۔ قاضی بھی رہے ہیں۔ عزیز مکرم مولوی جلال الدین و عزیزم مولوی اللہ دتا صاحب اور دوسرے نوجوان مبلغین آپ کی تعلیم و تربیت کے رہینِ منت ہیں۔ آپ نہ صرف خود عالم و مبلغ تھے بلکہ عالم و مبلغ گر بھی تھے۔ آپ جامعہ احمدیہ کے پروفیسر بھی تھے۔ میں نے آپ سا ذہین حافظ اور قادرالکلام کوئی نہیں دیکھا۔ میں اپنی ذاتی رائے کے اظہار کے طور پر کہہ سکتا ہوں کہ آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے سب سے بڑے عالم تھے" ؂

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کے چند صفاتِ حسنہ

(از جناب مولوی عبد الحمید صاحب سیکرٹری تصنیف ۔ کراچی)

پارٹیشن سے قبل جب ہم دہلی میں تھے تو وہاں جماعت کے سالانہ اجلاس بفضلہ تعالےٰ بڑی باقاعدگی کے ساتھ منعقد ہوا کرتے تھے۔ آریوں، عیسائیوں اور دوسرے لوگوں سے مناظروں وغیرہ میں خاصی گرماگرمی رہتی تھی۔ ان جلسوں میں شمولیت کے لئے مرکز کی طرف سے علما ء بھجوائے جاتے تھے۔ حضرت حافظ صاحبؓ بھی اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ جس رنگ میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اس کا سامعین پر خاص اثر ہوتا تھا اور لوگ نہایت اشتیاق سے آپ کی تلاوت سننے کے لئے آیا کرتے تھے۔ دہلی میں پنجابی سوداگرشل کا طبقہ نہایت متموّل طبقہ تھا۔ ان لوگوں کو دینیات سے بھی خاصہ شغف تھا اور اپنے رنگ میں یہ لوگ دینی کاموں میں خوب حصہ لیتے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ ان میں سے اچھے اچھے گھرانے کے متموّل لوگ حضرت حافظ صاحبؓ سے قرآن مجید سننے کے لئے ہمارے جلسوں میں آیا کرتے تھے اور اِدھر اُدھر چھپ چھپا کر قرآن مجید سُن کر چلے جاتے تھے۔ جب حضرت حافظ صاحبؓ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے تو مَیں نے دیکھا ہے کہ ان لوگوں پر وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی تھی اور وہ لوگ ہمہ تن گوش ہوکر قرآن مجید سُنا کرتے تھے۔

دوسری بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت حافظ صاحبؓ وقت کی پابندی نہایت سختی سے کرتے تھے۔ تقریر شروع کرنے سے قبل دریافت فرماتے تھے کہ کتنا وقت مقرر ہے۔ اگر ایک گھنٹہ وقت ہوتا تو آپ مقررہ وقت ختم ہونے سے ٹھیک ایک دو منٹ قبل جیب سے گھڑی نکال کر وقت ملاحظہ فرماتے اور عین وقت پر تقریر ختم کر دیتے۔ آپ کو وقت کا ایسا صحیح اندازہ رہتا کہ ہم لوگ دیکھنے والے بسا اوقات تعجب کرتے تھے۔

تیسری بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ آپ دہلی جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے تو آپ خاکسار کو ہمراہ لیکر بازار کچھ تانبے کے برتن خریدنے کے لئے گئے۔ راستہ میں آپ نے مجھے تین چار مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جو برتن خریدیں وہ جوڑا ہونا چاہیئے اور دونوں بالکل ایک سے ہوں۔ ذرہ بھر بھی فرق نہ ہو۔ آپ کے بار بار تاکید فرمانے پر خاکسار نے گزارش کی کہ تھوڑا سا فرق ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ شاید بالکل ایک سے دو برتن نہ مل سکیں۔ اسلئے اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں اسلئے اتنی احتیاط کر رہا ہوں کہ مجھے اپنی دو بیویوں کے لئے یہ چیزیں درکار ہیں اسلئے وہ بالکل ایک سی ہونی ضروری ہیں تا انہیں شکایت کا موقعہ پیدا نہ ہو۔

یہ چند باتیں ذہن میں تھیں جو تحریر کردیں اللہ تعالےٰ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنے فضلوں سے نوازے اور اپنے خاص قرب کے مقامات انہیں عطا فرمائے۔ آمین ؃

یادِ ایّامِ سلف

(حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل)

مَیں گولیکی تھا کہ اخبار میں یہ خبر پڑھ کر کہ ڈاکٹر رحمت علی صاحب ایک وحشی کے نیزے سے شہید ہو گئے بہت متألم ہوا اور مَیں نے ایک نظم لکھی جس کے چند اشعار یہ تھے ؎

رحمت علی کے واسطے دل بے قرار ہے
اِک آگ سی لگی ہے بہت اضطرار ہے
بھالے کا زخم سُنتے ہی دل ٹکڑے ہو گیا
مظلوم ہونا اس سے تیرا آشکار ہے
مرہم لگانا اپنے ہی دشمن کے زخم پر
اور پھر اسی شقی کا چلا تجھ پہ وار ہے
تم ہو شہید امتِ احمد مرے حبیب
زندہ ہو اور نام تمہارا پائیدار ہے

(سنہ ۱۳۲۱ ہجری)

غالباً اسی نظم کو پڑھ کر پیر برکت علی صاحب رَمَلی سے اپنے رشتہ داروں کے ہاں وزیر آباد جاتے ہوئے گولیکی کچھ دیر ٹھہرے اور مجھ سے متعارف ہوئے اور پھر آمد و رفت شروع ہو گئی اور تعلقات اخوّت و محبت بڑھتے گئے۔ حتّٰی کہ ایک جلسہ مقرر کر کے وہ مجھ بیمار و نحیف کو گھوڑی پر رَمَل (اپنے گاؤں) لے گئے۔ گیارہ کوس کا سفر بڑی مشکل سے ان کے متعلقین میں سے پیر امام الدین صاحب نے طے کرایا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ان بھائیوں نے بوجہ احمدیت پیری مریدی چھوڑ دی ہے اور ایک دکان معمولی سودے کی قائم کر رکھی ہے نوشاہی خانقاہ دکھائی۔ وہاں باہر سے ملنگوں کا ایک قافلہ میرے سامنے پہنچا اور قبر پر ان کا سربراہ اوندھے مُنہ گر پڑا۔ ساتھ ہی بیس پچیس ساتھی اور وہاں کے مقامی دیہاتی سجدے میں پڑ گئے اور مَیں انا للہ پڑھتے ہوئے واپس مکان پر آ گیا۔

جمعہ کا خطبہ مجھے پڑھنے کا ارشاد ہوا اس کو سُننے کے لئے وہاں کے موجودہ گدی نشین کو دعوت دے رکھی تھی اور وہ مع دو تین رفقاء کے آ بیٹھے۔ مَیں نے کسی مصلحت کو سوچے بغیر نہایت صفائی سے تردید شرک پر پنجابی میں خطبہ دیا اور قرآن مجید کی کئی ایک آیات مع ترجمہ سُنا دیں اور وہ نہایت صبر سے سنتے رہے اور چُپ چاپ نماز سے پہلے چلے گئے۔ حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی پیدل وزیر آباد سے بعد میں پہنچ گئے تھے۔ اپنی تقریر کے وقت بعد نماز جمعہ فرمانے لگے آیات متعلقہ توحید و شرک تو سب قاضی صاحب نے پڑھ دی ہیں میرے لئے کم کام باقی چھوڑا ہے۔ یہاں بزرگوں کی ہمت تھی کہ بیس بائیس میل پیدل چل کر شامل ہوئے۔ اور بھی کئی اردگرد کے احمدی تھے۔ مونگ رسول کے عبداللہ صاحب چغتائی مرحوم اور نیک محمد خان صاحب کے خسر تو میری تقریر سن کر کہنے لگے کہ اب سیدھا قادیان جاؤں گا۔ چنانچہ میرے وہاں جانے سے پہلے وہ پہنچ چکے تھے۔ اسی سلسلہ تعلقات میں یہ ذکر آیا کہ ڈاکٹر رحمت علی صاحب کے چھوٹے بھائی حافظ روشن علی صاحب قادیان

تعلیم کے لئے گئے ہیں۔ ان کو لکھ دیا ہے وہ گولیکی آپ سے ملیں گے۔ چنانچہ حافظ صاحب آئے اور ہم نے گاؤں میں ڈھنڈورا دلوایا کہ مسجد میں ایک عالم حافظ صاحب کا وعظ ہوگا۔ نماز عشاء کے بعد ان کو مسجد کی چھت پر چڑھا دیا اور حافظ صاحب نے سورۃ نوح خوش الحانی سے پڑھ کر اس کا ترجمہ اور تفسیر کی اور خدا کے فرستادوں کی بعثت اور ان سے منکرین کے سلوک اور انجام کا ذکر بہ تفصیل کیا۔ یہ وعظ جو حسب دستور واعظین مضحکات و مبکیات سے بالکل مبرا تھا عجیب سمجھا گیا۔ گرمی کا موسم تھا اسلئے تمام گاؤں کے رجال و نساء اپنی اپنی چھتوں پر سنتے رہے۔

اثناء گفتگو میں جب میں نے بتایا کہ مجھے توضیح تلویح ختم کرا کے الاشباہ والنظائر والدرز گوار شروع کرا رہے ہیں تو حافظ صاحب نے فرمایا۔ آپ مجھ سے بہت آگے ہیں اب میں جا کر اس تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

میں جب قادیان میں بہ نیت ہجرت و مستقل رہائش حاضر ہوا تو حافظ صاحبؓ سے دوسری ملاقات ہوئی۔ آپ نے میری ہر طرح خاطر مدارت رکھی۔ مرحوم حافظ عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس وزیر آبادی شاخ دینیات میں بطور طالب علم داخل ہوئے تھے۔ ان کو تاکید کی کہ خاکسار کا ہر طرح خیال رکھیں اور ان کی ضروریات سے مجھے آگاہ رکھیں۔ جزاھما اللہ احسن الجزاء۔ حافظ صاحب کا علم و فضل خلافت اولیٰ کے آخری سالوں اور خلافت ثانیہ میں منظر عام پر آیا۔ جب کچھ ٹریکٹ تقسیم ہوئے تو حافظ صاحب ہی ان کا تقریری اور تحریری جواب دیتے رہے۔ پھر وہ دو تین راتیں جب حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے وصال پر ایک خفیہ ٹریکٹ تقسیم ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے اس فتنہ کے تور ان کو مٹانے میں جو جدوجہد فرمائی اور دن رات ایک کر دیئے ان کی یہ کارگذاری ایثار اور وفاداری کی ایک بے مثل مثال ہے۔ پھر پشاور تک ایک کامیاب دورہ فرمایا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ قاضی محمد یوسف صاحب نے اعتراض کیا کہ پہلے جو محمدی نبوت میں خلفاء ہوئے وہ یا تو مامور تھے یا بادشاہ۔ یہ خلافت کیسی ہے جسے آپ علیٰ منہاج النبوۃ منواتے ہیں؟ جواب تو کئی دیئے مگر اس پر مزید غور کی ضرورت ہے۔

اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک رسالہ لکھا جس میں بتایا کہ یہ نبوت ظلی ہے بواسطہ خاتم فیضان محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور پہلے خلفاء انبیاء کو براہ راست نبوت ملتی رہی۔ نفس نبوت میں تو فرق نہیں صرف طریقہ حصولِ نبوت اور ہے۔ نبی رسول کا اصل کام تلاوتِ آیات، تزکیہ، اور تعلیم ہے۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا خلیفہ یہی کام کرے گا۔ جب نبی نہ صاحب شریعت ہو نہ بادشاہ تو خلیفہ کے لئے کیوں بادشاہ ہونا ضروری ہو۔

جماعت میں امر و نہی کا نفوذ و اہتمام فرماتے تھے۔ حافظ صاحب خلافت اولیٰ کے عہد میں بھی حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ کے ساتھ بیرونجات و مفصلات کے دوروں میں رہے اور خود آپ کی خلافت کے زمانے میں بھی تاحیات اس شرف سے مشرف رہے۔ کئی کامیاب تقریریں کیں اور مناظرات و مباحثات بھی۔ آپ کا کمال یہ تھا کہ جب حضور تقریر فرما رہے ہوتے تو کسی مضمون کے تعلق بیان میں تمام آیت پڑھنا چاہتے تو آپ باواز بلند مطلوبہ آیات پڑھ دیتے۔ یہ امر اس لئے بھی مشکل ہوتا ہے کہ بعض آیات قرآنی میں تشابہ ہے اسلئے وہی آیات مع حوالہ فوری طور پر پڑھنا جو اس خاص مضمون کے متعلق ہوں آسان بات نہیں۔

آپ کی نظر بہت کمزور تھی۔ شاگردوں کو جو مولوی فاضل بھی ہوتے تھے کوئی علمی کتاب نصاب نظامیہ سے بلکہ

مصر کی عالیہ کتب سے پڑھاتے ہوئے اپنے حافظہ اور علمی استعداد ہی سے کام نکال لیتے۔

ماہ صیام میں قیام رمضان میں قرآن مجید کا ایک ایک پارہ سُناتے۔ پھر ظہر کے بعد درس ایک پارے کا دیتے۔ جس کا یہ طریق تھا کہ کوئی شاگرد یا رفیق اوّل تلاوت کرتا اور آپ اردو ترجمہ مسلسل بعد میں اس خوبی اور خوش اسلوبی سے بغیر کسی قسم کی رکاوٹ کے سُناتے کہ حفظ و تبحر پر حیرت ہوتی۔ خصوصاً ان ایام صیام میں جو دماغ و اعصاب پر (اشدّ وطأً) کوفت ہوتی ہے ایک روزہ دار سے حسن بیان کی یہ صورت مجھے تو آحسنت کہنے پر مجبور کرتی۔ ہائے کیا کیا صورتیں تھیں خاک میں پنہاں ہوئیں۔

جب حضور نے ایک تقریر میں یہ اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی، رسولوں کی صداقت، ملائکہ، قیامت اور سلسلۂ وحی و الہام کے جاری رہنے کے متعلق ایمان بالدلائل ہونا چاہیئے تو میں نے براھین العقائد مرتب کرنے کا ارادہ کیا۔ حافظ صاحب سے امداد کی درخواست کی تو آپ نے بیش قیمت مضامین عطا فرمائے۔ باقی کمی کو محترم سید محمد اسحٰق صاحبؓ نے پورا فرما دیا اور میں نے ان اجزاء کو کتابی صورت میں مرتب کر کے شائع کرا دیا۔

حافظ صاحبؓ اپنے تلامذہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ مرزا عبدالحمید حال کلرک بیت المال میرے پاس ہی ہوتا تھا اس کے نکاح پر سنور (پٹیالہ) میں کسی خوش بیان واعظ کے لئے فرمائش تھی۔ میں نے حافظ صاحبؓ سے جب شاہ نواب صاحب کے مکان کے صحن میں ایک چٹائی پر بیٹھے اپنے طلباء کو پڑھا رہے تھے کہا کہ آپ اپنے شاگرد ابوالعطاء صاحب کو برات کے ساتھ موعظت کے لئے تین روز کے لئے اجازت دے دیں تو آپ نے فرمایا ان کے سبق کا بہت حرج ہوگا۔ میں نے کہا اگر آپ کے لئے ہی حکم لے آؤں تو پھر۔ تو آپ نے میرا بازو پکڑ کر دباتے ہوئے کہا۔ ایسا نہ کرنا اس طرح ان سب کا حرج ہوگا۔ میں چلا گیا اور اسی وقت حضور سے جو گول کمرے میں تشریف فرما تھے حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کے لئے اجازت لے لی۔

حافظ صاحب میں ظرافت کا مادہ بھی بوجہ احسن تھا۔ سادہ سی بات کہہ کر محفل کو زعفران زار بنا دیتے۔ جب ملکانہ میں ارتداد کے دفاع کے لئے حضور کے ارشاد کے مطابق وہاں بھیجے گئے تو حضور نے ایک مجلس مقرر فرمائی جس کا اجلاس بعد نماز عصر بیت البرکات کے وسیع صحن میں ہوتا تھا۔ رمضان المبارک کے ایام تھے اور افطاری کا سامان بھی وہیں خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے اور حضرت نواب صاحب کے ہاں سے اور خرداً فرداً بعض بزرگوں کے گھر سے آجاتا۔ ایک شام کسی دوست نے کہا کہ پیاس بجھتی نہیں بلکہ تیز ہوجاتی ہے۔ حضور نے فرمایا شربت خصوصاً یکدم نہیں پینا چاہیئے اس سے معدہ میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور سے روزہ افطار فرماتے۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ نے بیان کیا کہ پیاس بجھانے کے لئے قہوہ نہایت مفید ہے میں تو اسی سے افطار کرتا ہوں۔ دوسرے دن مولانا مرحوم کے گھر سے لڑکا ایک چینک لایا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ قہوہ ہے اور غلاف تھا۔ حافظ صاحب نے چینک پر ہاتھ رکھ لیا۔ جب مؤذن نے مسجد مبارک سے اذان شروع کی تو حاضرین آگے بڑھے اور حسب مرضی کسی نے شربت، کسی نے لیمونیڈ (جو بٹالہ سے لایا جاتا) پیا۔ حتیٰ کہ مولوی صاحب بھی ادھر ہی متوجہ ہوگئے اور قہوہ کسی کو یاد نہ آیا۔ جب نماز کیلئے سب اٹھ کھڑے ہوئے تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ پیاس کا اصل علاج تو اسی طرح پڑا رہا۔ میں تو اس کے انتظار میں کسی اور مشروب سے بھی محروم ہی رہا اس پر اکثر ہنس پڑے۔

ع خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں ✦

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کے مختصر حالات

(جناب مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہوی)

آپ موضع رنمل تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ آپ حضرت نوشہ شاہ صاحب مشہور صوفی اور بزرگ اہل اللہ کی نسل میں سے تھے۔ چار بھائی تھے۔ پیر برکت علی صاحبؓ، پیر رحمت علی صاحبؓ، پیر اکبر علی صاحبؓ اور حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحومؓ۔

حضرت حاجی محمد نوشاہ صاحب ایسے بزرگ ہو چکے ہیں جن کی بیعت اور سلسلۂ ارشاد سے پنجاب میں کئی دوسری گدیاں ظہور پذیر ہوئیں۔

حضرت حافظ صاحبؓ کی والدہ ماجدہ بخت روشن صاحبہ وزیرآباد کے مشہور خاندان حکیماں سے تھیں اور حضرت حافظ غلام رسول صاحبؓ وزیرآبادی کی رشتہ میں ہمشیرہ تھیں۔ آپ کی والدہ نے آپ کو بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کرانا شروع کر دیا تھا جس کی تکمیل حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادیؓ کے ذریعہ ہوئی۔

حضرت حافظ صاحب مرحومؓ ابتداءً پہلی عمر میں صاف اور روشن آنکھوں والے تھے۔ آپ کی عمر سات آٹھ سال کی ہوگی کہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ وزیرآباد سے رنمل کو آتے ہوئے دریائے چناب کے کنارے پر آنکھوں میں تکلیف پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں ایک آنکھ تو بالکل بیٹھ گئی اور دوسری آنکھ میں سفیدی پڑ گئی۔ تاہم بینائی اتنی قائم رہی کہ آپ راستہ دیکھ لیتے۔ بڑی تقطیع کا قرآن کریم پڑھ لیتے۔ دستخط فرما لیتے اور گھڑی کا وقت دیکھ لیتے تھے۔

حضرت پیر ڈاکٹر رحمت علی صاحب ایک صاحب ثروت اور مخیر بزرگ تھے۔ لکھا ہے کہ:۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدمہ میں امداد کے طور پر خود بھی رقم ۵۰ کی بھیجی اور دوسرے دوستوں سے لے کر بھی کئی سو کی رقم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیجی۔ (الحکم ۲۶ اپریل ۱۸۹۹ء جلد ۲ نمبر ۱۵ کالم ۲)

۲۔ "ڈاکٹر صاحب اپنے اخلاص اور درخشندہ نمونہ کی وجہ سے ہماری جماعت میں بہت مشہور ہیں اور تھوڑے آدمی ہوں گے جو آپ کے نام سے واقف نہ ہوں۔ حضرت اقدس کے ہر سلسلہ میں وفاداری کے ساتھ امداد دیتے ہیں۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب چار مہینے کی رخصت لیکر امام الزمان کے حضور رہ کر اکتساب فیض کے لئے آنے والے ہیں اسلئے اپنے بھائیوں اور ڈاکٹر صاحب کے دلی احباب کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ ۱۵ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء تک دارالامان میں انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ ان کے نام کے خطوط وغیرہ دارالامان ہی میں روانہ کریں" (الحکم ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۰۰ء جلد ۴ نمبر ۱۱ صفحہ ۶ کالم ۳)

حضرت حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی

ڈاکٹر رحمت علی صاحب افریقہ سے مجھے خرچ کے لئے روپیہ بھیجا کرتے تھے۔

حضرت حافظ صاحبؓ نومبر آخر یا شروع دسمبر ۱۸۹۹ء کو قادیان اپنے آقا امام الزمانؑ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ چنانچہ اخبار الحکم جلد ۳ نمبر ۴۴ صفحہ ۸ کے کالم ۳ شروع میں بیعت کرنے والے افراد کے نام شائع کئے گئے۔ جن میں نمبر ۱۲ پر یوں لکھا ہے:۔

"حافظ روشن علی وزیر آباد گجرات۔"

حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی مرحومؓ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ جب حافظ صاحب قادیان آئے تھے اس وقت ان کی عمر ۱۵-۱۶ سال تھی اور گجراتی عام دیہاتی وضع کا لباس تھا۔ یعنی تیلا تہبند اور دیسی کرتہ اور سر پر پٹکا تھا۔

قادیان آکر حضرت حافظ صاحب کا اکثر وقت حکیم الامت حضرت خلیفہ اوّلؓ کے مطب یا درس کی جگہ میں گزرتا تھا۔ آپ کے پڑھنے کا یہی طریق تھا۔ کہ حضرت خلیفہ اولؓ کے شاگردوں میں سے کوئی شاگرد کوئی کتاب پڑھتے تو آپ وہ کتاب بھی سُنتے جاتے اور حضرت شیخ المشائخ خلیفہ اوّلؓ کی تقریر بھی خوب غور سے سنتے رہتے۔

تعلیمی شوق

آپ کو اس قدر تعلیم کا شوق تھا کہ کھانے کی طرف بھی توجہ کم تھی ابتداءً لنگر سے کھانا ملتا تھا جو بعض دن بوجہ تعلیمی انہماک کے نہ مل سکتا۔ کیونکہ سبق چھوڑ کر کھانے کے لئے آنا پسند نہ تھا۔ بعض دفعہ ایسے اسباق میں جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ہم نشینی و ہم سبق ہونے کا شرف ملا آپ کو کشفاً کھانا بھی کھلایا گیا۔

حضرت حکیم الامت خلیفہ اوّلؓ سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت حجۃ اللہ نواب محمد علی خان صاحبؓ کے صاحبزادگان کو پڑھانے کا شغل بھی تھا۔ یہ سلسلہ تدریس کئی سال تک جاری رہا اور اس کی وجہ سے بعض دنوں آپ کو قادیان سے باہر مالیر کوٹلہ بھی رہنا پڑا

آپ کی پہلی شادی

آپ کی پہلی شادی آپ کے دُور سے رشتہ دار پیر دولت علی صاحب مرحومؓ ساکن پنڈی عزیز کی ہمشیرہ محترمہ حیات نور صاحبہ سے ہوئی تھی۔

آپ کی دوسری شادی

حضرت حافظ صاحبؓ کی دوسری شادی حضرت منشی شادی خان صاحب مرحومؓ کی صاحبزادی حضرت مریم صاحبہ سے ہوئی۔ جو بعد میں "استانی مریم صاحبہ" کے نام سے مشہور ہوئیں۔

آپ کی تیسری شادی

آپ کی تیسری شادی حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کی بیٹی امۃ المجید صاحبہ سے ہوئی۔

ایک خاص بات جو آپ میں تمام شاگردوں نے پائی وہ یہ تھی کہ اپنی اکثر علمی باتوں کے بیان کرتے وقت حضرت خلیفہ اوّلؓ کا ذکر فرماتے جس میں ادب اور محبت کا خاص رنگ ہوتا اور عموماً ایسے الفاظ بیان فرماتے کہ "ہمارے شیخ نے ایسا فرمایا"۔ "ہمارے شیخ فرمایا کرتے تھے" یا "حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا"۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی اولاد سے بھی بہت محبت کرتے تھے! اُن میں سے کوئی بھی آپ کو ملتا تو حضرت حافظ صاحبؓ کے چہرے پر محبت اور احسان مندی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ آپ مسکراتے ہوئے اُن سے باتیں کرتے۔ صبح کی سیر میں جب آپ بہشتی مقبرہ کی طرف نکلتے ہمیشہ مشرقی جانب کھڑے ہوتے اور دُعا فرماتے ورنہ اگر موقعہ نہ ملتا تو حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے مزار پر دعا کرنے کے بعد حضرت خلیفہ اوّلؓ کے مزار پر علیحدہ بھی دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے اور آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے اور آپ کے شاگردوں کو خدمتِ دین کی بیش از بیش توفیق بخشے۔ آمین +

حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحومؓ کی چند خوبیاں

(از قلم جناب ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب آف موگا۔)

حضرت حافظ صاحب کی تقریر شیریں، مدلّل اور دلربا ہوا کرتی تھی۔ سامعین مسحور ہو جاتے تھے۔ جس مضمون پر تقریر کرتے تھے اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال دیتے تھے۔ سامعین کو کسی طرح سے تشنگی نہیں رہتی تھی بلکہ مضمون زیر بیان پر خود کئی سوالات اٹھا کر ان کے جوابات پیش کر کے واضح کر دیتے تھے۔

مجھے احمدی ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ فیروز پور میں غیر احمدیوں کے ساتھ مناظرہ مقرر ہوا۔ دیوبند سے مشہور چوٹی کے علماء بلوائے گئے تھے۔ قادیان سے بھی کئی علماء تشریف لائے، ان میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ بھی شامل تھے۔ علماء دیوبند اپنے ساتھ ایک قاری حافظِ قرآن کو لائے تھے۔ قاری صاحب نے قرآن شریف کی تلاوت کی اور ان کے علماء بھی وقتاً فوقتاً قرآن شریف کی آیات پڑھتے تھے۔ حضرت حافظ صاحبؓ بھی اپنی باری پر آیات پڑھا کرتے تھے۔ اس مناظرہ کا صدر ایک غیر احمدی ڈپٹی کمشنر تھا۔ انہوں نے دوران جلسہ کہا کہ "ٹھہرو مناظرہ روک لو۔ میں حافظ صاحب سے قرآن شریف سننا چاہتا ہوں۔ حضرت حافظ صاحب سے میری درخواست ہے کہ آپ قرآن شریف مجھے سنائیں"۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحبؓ نے قرآن شریف کا ایک یا ایک سے زیادہ رکوع پڑھا۔ سامعین جھومتے تھے۔ عام طور پر لوگ آپ کی قرات کی تعریف کرتے تھے۔

ایک دفعہ مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ پر مناظرہ ہوا۔ مدمقابل کے مولوی صاحب نے کسی کتب خانہ کی فہرست ہاتھ میں لے کر تمام تفاسیر کے نام پڑھ دیئے اور کہا کہ "ان میں حضرت مسیحؑ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ وہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے"۔

حضرت حافظ صاحبؓ نے اپنی باری پر فرمایا کہ مولوی صاحب نے جن تفاسیر کے نام سنائے ہیں میرا ان کو چیلنج ہے کہ ان میں سے کوئی ایک تفسیر اٹھا کر پیش کریں جس میں یہ درج نہ ہو کہ حضرت مسیحؑ تین ساعت یا ایک ساعت وفات پا گئے تھے۔ حضرت حافظ صاحبؓ کے اس چیلنج سے سامعین حیران رہ گئے اور مولوی صاحب اس تحدی کے توڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔

حضرت حافظ صاحبؓ ایک متبحر عالم تھے۔ آپ تمام مذاہب کا علم رکھتے تھے۔ غیر احمدی علماء، پادریوں، پنڈتوں اور دہریوں سے کامیاب مناظرہ کیا کرتے تھے۔ آپ کے مناظرات اور تقریروں کی وجہ سے بہت سے لوگ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوتے تھے۔ آپ کے شاگردوں کو بھی اللہ تعالےٰ نے توفیق بخشی ہے کہ وہ سب مذاہب کے عالموں سے کامیاب مباحثے کرتے ہیں۔ آپ کے کئی شاگرد پروفیسر ہیں۔ یہ سب درحقیقت "جمالِ ہم نشیں درمن اثر کرد" کی تصدیق ہے۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی قبولیت کی ایک جھلک

(از جناب مولانا عبدالمالک خان صاحب کراچی)

حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک بلند پایہ عالم اور زبردست ستون تھے۔ آپ نے زندگی بھر خدمت اسلام کے بیشمار عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے جو تا قیامت زندہ رہیں گے۔ آپ کی زندگی کے سارے ہی اوقات دین کی خدمت کے لئے وقف تھے۔ میں جب مدرسہ احمدیہ میں چھوٹی جماعتوں میں تعلیم پا رہا تھا یہ نظارہ مجھے روز انہ نظر آتا کہ مدرسہ میں اگرچہ چھٹی ہو چکی ہے لیکن حضرت حافظ صاحب اپنے شاگردوں کو بٹھائے مسلسل درس میں مصروف ہیں۔ آپ کی اس مصروفیت کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا کہ آپ کو چھٹی کے نام سے چڑ ہے اور کام میں راحت محسوس فرماتے ہیں اور آپ کے پیش نظر ایک ہی نصب العین ہے کہ آپ کے شاگرد علم کے بلند معیار پر قائم ہوں اور آپ کی اس محنت اور توجہ اور طرز تعلیم کی خوش اسلوبی کے باعث میرے دل میں گدگدی پیدا ہوتی اور میں یہ تڑپ محسوس کرتا کہ جلد جلد میں بھی اس قابل ہو جاؤں کہ حضرت حافظ صاحبؓ سے پڑھ سکوں۔ افسوس جب میں مدرسہ احمدیہ سے فارغ ہو کر جامعہ میں پہنچا تو آپ اس وقت بیمار تھے اور پھر یہ بیماری آپ کے لئے پیغام اجل ثابت ہوئی اور اسلام کا یہ عاشق تمام جماعت کو محزون و مغموم چھوڑ کر مولائے حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل جبکہ میرے بڑے بھائی پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب کی پہلی شادی میرٹھ میں ہونا قرار پائی تھی تو اس موقعہ پر والد صاحب حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحبؓ نے آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے ہمراہ میرٹھ تشریف لے چلیں۔ والد صاحب کا منشاء یہ تھا کہ اس موقعہ پر میرے چچا مولانا محمد علی صاحب جوہر بھی شریک ہوں گے حضرت حافظ صاحبؓ کے ذریعہ ان کو تبلیغ کا موقعہ مل سکے گا۔ چنانچہ اعلاء کلمۂ حق کی خاطر حضرت حافظ صاحبؓ نے یہ بات منظور کر لی اور آپ کی یہ شرکت ہم سب کے لئے بہت ہی باعث برکت ثابت ہوئی۔ میرے چچا مرحوم حضرت حافظ صاحبؓ کے تبحر علمی سے بہت متاثر ہوئے۔ نیز دیگر افراد خاندان نے بھی سلسلہ کی عظمت کا اعتراف کیا۔ اس سفر میں میں نے دو باتیں خصوصی طور پر محسوس کیں۔ ایک تو یہ کہ آپ میں غیرت دینی کا پہلو بہت نمایاں تھا۔ آپ بڑی سے بڑی شخصیت سے ہرگز مرعوب نہ ہوتے۔ دوسری یہ بات کہ آپ کا وجود انگریزی دان اصحاب اور عربی دان اصحاب دونوں کو متاثر کرتا تھا اور دونوں میں یکساں مقبول تھا۔

خدا تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحب کو نہ صرف یہ شرف عطا فرمایا تھا کہ آپ کلام اللہ کے حافظ تھے بلکہ قرآنی مضامین پر آپ کی نظر بہت وسیع تھی اور پھر خدا تعالیٰ نے آپ کو خوش الحانی اور قوت بیانیہ کا جوہر بھی عطا فرمایا تھا۔ جو کوئی بھی آپ کی زبان سے معارف قرآنی سنتا وہ ضرور متاثر ہوتا تھا۔ آپ کی شخصیت کا ایک روحانی اثر

قلوب پر پڑتا تھا۔ آپ کے دل میں خدا تعالیٰ کی خشیت بھی بہت تھی۔ عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ رمضان المبارک میں اعتکاف میں بیٹھتے۔ الغرض حضرت حافظ صاحبؓ فاضل اجل، عالم باعمل تھے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحبؓ کی محنتِ شاقہ کا یہ ثمرہ عطا فرمایا کہ آپ کے شاگردوں کو بھی خدا تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں ایک بلند مقام عطا فرمایا اور یہ تلامذہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔ حضرت حافظ صاحبؓ کی خوبیوں کا اعتراف صرف جماعت احمدیہ کو ہی نہیں بلکہ غیروں کو بھی ہے۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا تھا:-

"حافظ روشن علی قادیانی جماعت میں ایک قابل آدمی تھے۔ قطع نظر اختلاف رائے کے ہم کہتے ہیں کہ موصوف خوش قراءت، خوش گو تھے۔ مناظرے میں متین اور غیر دل آزار تھے۔ مرزا صاحب کے راسخ مرید تھے۔ ہمیں ان کی وفات میں ان کے متعلقین سے ہمدردی ہے۔"

(اہلحدیث ۵ رجولائی ۱۹۲۹ء)

اخبار پیغام صلح نے لکھا تھا۔

"اختلاف عقائد اور چیز ہے۔ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ اختلاف عقائد کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے کے دکھ درد اور رنج و راحت میں اس کا شریک حال ہو۔ حافظ روشن علی صاحب ایک متشدد محمودی تھے۔ محمودیت کی حمایت میں انہوں نے ہمیشہ غالیانہ سپرٹ کا اظہار کیا تاہم ان میں بعض خوبیاں بھی تھیں جن کی وجہ سے ان کی موت باعث افسوس ہے۔ حافظ صاحب حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب مرحومؓ کے شاگردوں میں سے تھے۔ نہایت ذہین، خوش بیان، خوش الحان اور عالم آدمی تھے۔ نہ صرف علوم اسلامیہ پر کافی عبور تھا بلکہ غیر مذاہب سے بھی خاصی واقفیت رکھتے تھے اور آریہ سماج کے ساتھ کئی ایک مناظرے انہوں نے کئے۔"

(پیغام صلح ۹ رجولائی ۱۹۲۹ء)

حضرت حافظ صاحبؓ کے خاندانی حالات

(آپ کے بھتیجے مکرم پیر عبد العلی صاحب کراچی کے قلم سے)

میرے چچا حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ اپنے آبائی گاؤں رتّہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ نے قرآن کریم حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادیؓ سے حفظ کیا اور اس کے بعد قادیان دارالامان میں حضرت خلیفہ اوّلؓ سے دینی علوم حاصل کئے اور اپنی زندگی سلسلہ عالیہ احمدیہ اور اسلام کی خدمت میں گذار کر ۴۶ سال کی عمر میں ۲۳ رجون ۱۹۲۹ء کو اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے۔

آپ کی ٹھیک تاریخ پیدائش تو معلوم نہیں لیکن جو عمر خود آپ نے بتائی تھی اس کے حساب سے ۱۸۸۳ء یا

سنہ ۱۸۸۳ء بنتی ہے۔ آپ کے والد صاحب کا نام میراں بخش اور آپ کے دادا صاحب کا نام سلطان عالم تھا۔ آپ کی والدہ کا نام بخت روشن تھا جو کہ وزیرآباد کے ایک اچھے معزز خاندان سے تھیں۔

آپ کے تین بھائی اور تھے، ہمشیرہ کوئی نہ تھی۔ آپ سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کے سب سے بڑے بھائی پیر برکت علی صاحب تھے جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے۔ پیر برکت علی صاحب کے ایک لڑکے ہیں جن کا نام ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہے۔ جو سانگھڑ سندھ میں رہتے ہیں اور وہاں کی جماعت احمدیہ کے پریذیڈنٹ ہیں۔ پیر برکت علی صاحب کا انتقال ۲۹ جون سنہ ۱۹۲۴ء بمقام رمل ہوا۔ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کے دوسرے بھائی پیر ڈاکٹر رحمت علی صاحب مرحوم تھے۔ آپ افریقہ میں سرکاری ملازمت میں تھے۔ ہمارے خاندان میں آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے احمدیت کو قبول کیا۔ آپ افریقہ میں ہی احمدی ہوئے اور احمدیت کے ایک نامور خادم تھے۔ افسوس کہ نوجوانی میں یعنی صرف ۴۰ سال کی عمر میں افریقہ میں شہید کر دیئے گئے۔ آپ کی یادگار صرف ایک لڑکی امۃ اللہ بیگم صاحبہ ہیں جو کیپٹن محمد اسلم صاحب کی اہلیہ ہیں پہلے وہ قادیان محلہ دارالعلوم میں رہتی تھیں۔ اور آجکل ربوہ میں سکونت پذیر ہیں۔

آپ کے تیسرے بھائی پیر اکبر علی صاحب مرحوم تھے۔ آپ نے سندھ میں زمین لے کر سندھ میں ہی رہائش اختیار کر لی۔ اور چک نمبر ۴۲ رادتیانی کی جماعت کے پریذیڈنٹ تھے۔ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء میں قادیان میں آپ کی وفات ہوئی اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔

پیر اکبر علی صاحب کی اولاد ہم دو بہن بھائی ہیں۔ ایک تو خاکسار جس کا نام پیر عبدالعلی ہے میری رہائش آجکل سندھ اور کراچی میں ہے۔ میری بہن عزیزہ امۃ النصیر صاحبہ ہیں جو کہ چوہدری احمد جان صاحب راشننگ افسر کراچی کی اہلیہ ہیں اور کراچی میں ہی رہتی ہیں۔

حضرت حافظ صاحب مرحوم کی اولاد ایک لڑکی امۃ الحی صاحبہ ہیں جن کی شادی ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۴ء کو حافظ مبارک احمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ کے ساتھ ہوئی تھی۔

حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کا خاندان قادری نوشاہی خاندان کہلاتا ہے جس کے بانی حضرت حاجی نوشہ صاحب گزرے ہیں۔ جو کہ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ انسان تھے۔ جن کا مزار ہمارے آبائی گاؤں رنمل ضلع گجرات میں ہے۔ اور ان کے مزار پر ہر سال ایک بہت بڑا میلہ یا عرس کے جیسے میں ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت نوشہ صاحب کی اولاد میں بہت سے بزرگ اور خدا رسیدہ لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اس خاندان کے مرید سارے پنجاب، ریاست جموں و کشمیر میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ حضرت حاجی محمد نوشہ صاحب سے نویں پشت میں تھے۔ آپ اور آپ کے تینوں بھائی احمدیت کے خادم تھے۔ آخر دم تک سلسلہ کی خدمت کرتے ہوئے اپنے اپنے وقت پر اپنے پیدا کرنے والے کے حضور حاضر ہو گئے۔

آپ کی خدمات سلسلہ اور اسلام کے متعلق آپ کے ساتھی اور آپ کے شاگرد مجھ سے زیادہ اچھا لکھ سکتے ہیں اس لئے میں اسی پر ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ؛

بعض ایمان افروز حالات

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب مربی سلسلہ احمدیہ لاہور)

(۱)

حضرت حافظ صاحبؓ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے خاص الخاص شاگرد تھے۔ مجھے بعض بزرگوں نے بتایا ہے کہ بعض اوقات آپ کئی کئی گھنٹے لگاتار حضرت مولوی صاحبؓ سے پڑھتے رہتے تھے اور حضرت مولوی صاحبؓ بھی نہایت ہی محنت اور شفقت سے آپ کی تعلیم میں دلچسپی لیتے تھے۔ آپ خوش منش آدمی تھے۔ نہایت اعلیٰ لباس زیب تن کرتے۔ بڑے باوقار، بذلہ سنج اور خوش طبع بزرگ تھے۔

سب سے پہلے میں نے آپ کو ۱۹۲۵ء میں دیکھا میری عمر اس وقت ۱۶½ سال کی تھی اور میں ۱۹۲۵ء کے اوائل میں ہی مسلمان ہوا تھا۔ رمضان المبارک کے دو درس میں نے حضرت حافظ صاحبؓ سے سنے ہیں۔ گرمی کا موسم تھا۔ مسجد اقصیٰ میں جب آپ قرآن مجید کی تلاوت شروع فرماتے تو ایک عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔ آپ کی آواز ایسی شیریں اور کیف آور تھی کہ ہر شخص کا جی یہی چاہتا تھا کہ آپ قرآن مجید پڑھتے جائیں اور ہم سنتے جائیں۔ ایک پارہ لگاتار پڑھنے کے بعد آپ ایک ایک رکوع کا اردو ترجمہ سناتے اور پھر ایک یا دو آیتوں کی حسب ضرورت و موقعہ تفسیر بیان فرماتے۔ مجھے آپ کی بیان فرمودہ کئی ایک آیات کی تفسیر اب بھی یاد ہے مگر یہ تفسیر بیان کرنے کا موقعہ نہیں۔ درس کے بارہ میں ایک بات عرض کر کے میں آگے چلتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ آپ نے اپنے آخری درس میں فرمایا۔ دوستو! سن لو۔ اگلے سال پتہ نہیں کون درس دے گا۔ میں نے فوراً وہ فقرہ نوٹ کر لیا اور ایک لفافے میں بند کر کے محفوظ کر لیا۔ خدا کی قدرت کہ اگلے درس سے پہلے آپ وفات پا گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۲)

مجھے یاد ہے جب میں ہندو ہونے کی حالت میں قادیان جا رہا تھا تو رات لاہور میں حضرت قریشی محمد حسین صاحب موجد مفرح عنبری جو جماعت لاہور کے امیر بھی تھے ان کے پاس گزاری۔ صبح جمعہ تھا۔ حضرت حافظ صاحبؓ نے جمعہ پڑھایا۔ خطبہ کے دوران میں آپ نے فرمایا کہ شیاطین کا وجود بھی انبیاء کا مشن پھیلانے میں ممد ہوتا ہے دیکھ لو ادھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا اور ادھر شیاطین نے لوگوں کے دلوں میں مخالفت کی ایک آگ بھڑکا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک چند دنوں میں آپ کے دعویٰ سے لوگ باخبر ہو گئے۔ اور پھر آہستہ آہستہ تحقیق کر کے احمدیت کو قبول کرنا شروع کر دیا۔

(۳)

میں نے حضرت حافظ صاحبؓ کو اپنے شاگردوں کو پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ نے شاگردوں کو پڑھانے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا تھا بلکہ سارا دن ہی پڑھاتے رہتے تھے۔ سردی کے موسم میں فجر کی نماز کے بعد مسجد مبارک کے سامنے کے مکان کی چھت پر آپ

انکو لے کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور کبھی کتابیں پڑھاتے کبھی تقریریں کرواتے۔ اور اگر کسی تبلیغی یا تربیتی جلسہ کیلئے قادیان سے باہر جانا پڑتا تو عموماً دو تین شاگردوں کو ساتھ لیجاتے۔ ان سے تقریریں بھی کرواتے اور جنگل میں جا کر کتابیں بھی پڑھاتے۔

(۴)

ستمبر ۴۶ء میں مجھے منڈی ڈھاباں سنگھ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک بزرگ سید مہر علی شاہ صاحب رہتے ہیں۔ ان سے میں نے عرض کیا کہ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کے حالات شائع کرنے کیلئے "الفرقان" کا ایک خاص نمبر نکلنے والا ہے اور آپ بھی کبھی حضرت حافظ صاحب کے حالات سنایا کرتے تھے اب بھی اس یاد کو تازہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے جو چند ایک باتیں سنائیں عرض کر دیتا ہوں۔

(الف) انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جبکہ حضرت حافظ صاحب مالیر کوٹلہ میں تھے میں نے عرض کی کہ حضرت! ہمارے گاؤں میں بھی تشریف لے چلیں (ان کا گاؤں مالیر کوٹلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ عبدالقادر) میرے ایک ہمراہی نے کہا کہ ہم بہت غریب لوگ ہیں حضرت حافظ صاحب کے آرام کا کہاں خیال رکھ سکتے ہیں۔ حضرت حافظ صاحبؓ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ میاں! وہاں زمین ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا وہاں آسمان بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمانے لگے پھر ہم ضرور چلیں گے۔ آپ پر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا ہم کھانا یہیں سے کھا کر چلیں گے۔ پیدل جائیں گے۔ کوئی گھوڑا بھی ساتھ نہیں لے جائیں گے جسکے چارہ کا آپ کو انتظام کرنا پڑے۔ اور پھر وعظ کر کے واپس آ جائیں گے۔

(ب) ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا کہ حضرت! قرآن کریم میں لکھا ہے۔ حرمت علیکم المیتۃ الخ اس آیت کی رو سے مردار حرام ثابت ہوتا ہے۔ پھر مُردہ مچھلی کو آپ کیسے حلال سمجھتے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تو مچھلی کا نام ہی لحماً طریاً رکھا ہے یعنی تازہ گوشت۔ اس لئے اس کو ذبح کرنیکی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

(ج) ایک مرتبہ آپ نے یعرفونہ کما یعرفون ابناءکم کی تشریح میں فرمایا کہ جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ کبھی کسی مولوی کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے نہیں جاتا کہ یہ حلال کا ہے یا حرام کا۔ اپنی بیوی کی نیکی اور تقویٰ سے ہی پرکھ لیتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کو بھی پرکھنا چاہیئے۔

(د) ایک مرتبہ والیٔ ریاست مالیر کوٹلہ نے ریاست کے مفتی حافظ محمد خلیل صاحب سے پوچھا۔ کہ مفتی صاحب! دوسرے مذاہب کی تاریخیں شمسی حساب پر ہیں اور اسلام کی قمری پر۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیوں نہ قمری حساب کے بجائے شمسی حساب کو رائج کیا جائے اور ہر تہوار پر تاریخوں کے بارہ میں جو جھگڑا پیدا ہوتا ہے اس کا سدِ باب کیا جائے؟ مفتی صاحب نے کہا۔ کہ قرآن میں لفظ قمر کا ہی آیا ہے۔

والیٔ ریاست نے پھر نواب خان صاحب ثاقب میرزا خانی سے دریافت کیا کہ ثاقب صاحب آپ بتایئے کہ کیا آپ کی جماعت کے کسی عالم نے اس پر روشنی ڈالی ہے؟ انہوں نے کہا نواب صاحب! حضرت حافظ روشن علی صاحب یہاں موجود ہیں ان سے دریافت کر لیجئے۔ ان کے بلانے پر حضرت

حافظ صاحبؓ تشریف لے گئے۔ جب آپ نواب صاحب کے کمرہ میں داخل ہوئے تو نواب صاحب تعظیماً کھڑے ہو گئے اور نہایت ہی ادب سے مذکورہ بالا سوال کیا۔ حضرت حافظ صاحبؓ نے فرمایا کہ مذہب اسلام فطرت کے عین مطابق ہے اور قمری حساب اس کا ایک نمونہ ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کو آبادی سے کچھ عرصہ کے لئے الگ کر دیا جائے اور اسے شمسی ماہ کی تاریخ بھول جائے تو وہ از خود معلوم نہیں کر سکتا لیکن چاند کی تاریخ چاند کو دیکھ کر ایک ان پڑھ بھی بتا سکتا ہے۔

دوسرے قمری حساب کی وجہ سے ہماری عبادتیں سارے سال پر پھیل جاتی ہیں۔ مثلاً رمضان ہی کو دیکھ لیجئے۔ کبھی گرمی کے موسم میں آتا ہے، کبھی سردی میں اور کبھی بہار و خزاں میں — یہی حال حج کا ہے۔ پس صرف اسلام ہی ہے جس میں چوبیس گھنٹے خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کئی اور حکمتیں بھی بیان فرمائیں جو یاد نہیں رہیں۔ اتنا یاد ہے کہ نواب صاحب پر اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے برملا کہا کہ شرعی مسائل کی حکمتیں صرف احمدی علماء ہی بیان کر سکتے ہیں ❊

چند چشم دید واقعات زندگی

(از جناب قریشی محمد نذیر صاحب فاضل ملتانی حال انسپکٹر انصار اللہ مرکزیہ)

(۱) سنہ ۱۹۰۹ء میں خاکسار کو حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ سے جامعہ احمدیہ میں حدیث پڑھنے کا موقعہ ملا۔

ہم طلباء درجہ ثانیہ ترمذی شریف پڑھ رہے تھے کہ یہ حدیث آئی۔ الخ او اصل ولا توا صلوا فانّ اللہ یطعمنی ویسقینی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ سے پڑھا کرتا تھا۔ بعض اوقات کھانے کے وقت میں تعلیم جاری رہتی۔ ایک دفعہ اتفاق سے مجھے فاقہ آ گیا۔ اور کھانے کا وقت بوجہ تعلیمی مصروفیت کے نہ مل سکا۔ عین دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت خلیفہ اولؓ کی مجلس میں سبق پڑھتے رہے۔ مجھے خوب بھوک لگی ہوئی تھی۔ اسی عالم میں غنودگی سی طاری ہوئی اور میرے سامنے بھنا ہوا گوشت، روٹی اور دودھ پیش کیا گیا۔ میں نے خوب کھایا، دودھ پیا۔ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو میں سیر ہو چکا تھا اور قطعاً بھوک نہ تھی بلکہ کھانے کے بعد جو لطف آتا ہے اس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اچانک حضرت مولانا نور الدین صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ”روشن علی فارغ ہو گئے؟“ میں حیران ہو گیا کہ آپ کو میرے کھانا کھانے کا علم ہو گیا — اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو بھی میری خواب کا نظارہ

دکھلا دیا۔ پس یہ ایک روحانی برکات میں سے
بڑا درجہ ہے جس کا ذکر حضرت حافظ صاحبؓ نے
اپنے ذاتی تجربہ کے سلسلہ میں فرمایا۔

(۲) حضرت حافظ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالعموم
عربی الفاظ کی صحت کے لئے قرآن کریم کی آیات
پیش فرماتے اور نصیحت فرماتے کہ اگر قرآن کریم
کو تم لوگ تدبر سے پڑھو تو زبان عربی کو بہت
عمدگی سے سیکھ سکتے ہو۔ کیونکہ بہترین لغت بھی
قرآن کریم میں موجود ہے۔ ایک طالب علم نے کہا
کہ حضرت لفظ منطق کا صحیح تلفظ کیا ہے۔ فرمایا
آیت پڑھو۔ وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ۔

(۳) فرماتے تھے کہ ہزاروں کی تعداد میں مجھے پرانے
شعراء عرب کے اشعار یاد ہیں جو میں نے سیدنا
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عربی
کلام پر مخالفین کے اعتراضات کے جوابات
کے سلسلہ میں یاد کر رکھے ہیں۔

(۴) مدرسہ احمدیہ قادیان کے صحن میں آریوں سے ایک
مناظرہ ہوا۔ اس میں آریہ مناظر نے متعدد سوالات
بڑی تیزی سے اپنی باری میں کئے۔ حضرت حافظ صاحبؓ
جماعت احمدیہ کی طرف سے مناظر تھے۔ آپ کچھ نوٹ
نہیں فرماتے تھے بلکہ خاموش بیٹھے اس کی باتیں سنتے
رہے اور پھر اپنی باری میں کھڑے ہو کر اس کے جملہ
اعتراضات کا علی الترتیب ایک ایک کر کے جواب
دیا۔ گویا مخالف کے متعدد اعتراضات جو غالباً
دس سے زائد تھے بالترتیب یاد رکھے اور بالترتیب
ان کے جوابات بیان فرمائے اور لطف یہ کہ وقت
کا ایسا صحیح اندازہ لگایا کہ اس کے جملہ اعتراضات کے
جوابات اپنی مقررہ باری کے اندر جو پندرہ منٹ سے
زائد نہ تھی ختم کر دیئے۔ فسبحان اللہ المبدع الحکیم
اللہ تعالیٰ نے اپنے کیسے کیسے باکمال انسان پیدا کئے اور
سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیسے کامل عالم مخلص
مرید عطا فرمائے جن کے کردار نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ
ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء خدائے
برحق کا کلام ہے ✦

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی نیک سیرت

(از جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور مولوی فاضل)

خاکسار ۱۹۱۹ء میں قادیان آیا تھا۔ مسجد اقصیٰ
میں اکثر حضرت حافظ صاحب مرحومؓ کو مبلغین کلاس
کے طلباء کو حدیث پڑھاتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ اور
ماہ صیام میں باقاعدہ درس دیتے ہوئے دیکھتا تھا لیکن
زیادہ قریب ہو کر دیکھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب
مکرم حافظ صاحبؓ کی دوسری شادی حضرت حافظ
غلام رسول صاحب وزیرآبادیؓ کی دختر نیک اختر امۃ المجید
صاحبہ سے ہوئی۔ ان دنوں مکرم حافظ صاحبؓ نے نفضل
منزل مکان کا چوبارہ کرایہ پر لیا تھا جو کہ مسجد ارائیاں کے
متصل تھا۔ اس مکان میں نچلے حصہ میں ہماری رہائش تھی۔
یہ شادی نہایت سادہ طور پر ہوئی۔
سنہ ۱۹۲۱ء میں مولوی فاضل پاس کرنے کے بعد

خاکسار ضلع لائلپور میں بطور عربک ٹیچر ملازم ہو گیا تو چونکہ ان دنوں سلسلہ کو مبلغین کی شدید ضرورت تھی اسلئے مکرم حافظ صاحبؓ کو بہت فکر تھا۔ چنانچہ انہوں نے میری اہلیہ اور میری والدہ صاحبہ کو پُر زور الفاظ میں زندگی وقف کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اغلباً ان کی توجہ کا ہی نتیجہ تھا کہ مجھے بھی ایک خواب آئی کہ میں کھجوریں خریدنے لگا ہوں۔ دکاندار نے بھاؤ روپے کی آٹھ سیر بتلایا۔ میں نے کہا کہ اچھی اعلیٰ قسم کی کھجوریں دینا خواہ روپے کی چار سیر ہی دینا۔ چنانچہ اس سے زندگی وقف کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔

ان دنوں مجھے -/۵۵ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اور کلاس مبلغین کے لئے وظائف کی جس شرح کا اعلان کیا گیا وہ یہ تھی کہ شادی شدہ کو -/۲۵ روپے وظیفہ دیا جائیگا تین بچوں تک فی بچہ -/۲ روپے۔ اس طرح مجھے -/۲۸ روپے وظیفہ ملنا تھا جو -/۵۵ روپے کا نصف بنتا تھا۔ چنانچہ میں فوراً قادیان حاضر ہوا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں زندگی وقف کرنے کی درخواست بھجوا دی اور حضور نے فرمایا کلاس مبلغین میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ خاکسار جامعہ احمدیہ میں داخلہ کے لئے گیا۔ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ تھے۔ اور حضرت حافظ پروفیسر تھے۔ بوجہ نئی ابتدائی کلاس ہونے کے پڑھائی زیادہ مقدار میں نہ ہوتی تھی۔ اور حضرت حافظ صاحبؓ خود بیمار ہو گئے لیکن مکرم حافظ صاحبؓ کی محبت کی وجہ سے دوسرے تیسرے دن جاکر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو تاکید فرماتے کہ پروفیسروں پر انحصار نہ رکھو۔ اب مولوی فاضل ہو گئے ہو خود کتب کا مطالعہ کرو۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مناسب کتب کو تجویز فرما کر مطالعہ کی مقدار روزانہ معین فرما دیتے۔ اور پھر نگرانی بھی فرماتے۔ یہ سب کچھ اپنے شاگردوں سے ہمدردی کی وجہ سے ہی تھا۔

انہی دنوں لاہور سے ایک دوست کے خط کے ذریعہ ایک غیر احمدی عالم کے ساتھ مباہلہ کی بات چیت شروع ہوئی۔ حضرت حافظ صاحبؓ اس مرحلہ کو طے کرنے کیلئے باوجود بیماری کے خود لاہور جانے کے لئے آمادہ ہو گئے اور سفر میں مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ رستے میں فرمایا۔ اگرچہ میں بیمار ہوں لیکن اگر مباہلہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تسلی ہو گی کہ ایک سال تک اللہ تعالیٰ ضرور زندگی عطا کرے گا۔ یہ اس ایمان کا کرشمہ تھا جو مکرم حافظ صاحبؓ کو احمدیت کی صداقت پر تھا۔ افسوس کہ مباہلہ کے لئے فریق ثانی آمادہ نہ ہوا۔

خاکسار نے تو باوجود شادی شدہ ہونے کے اپنی زندگی وقف کرنے کی اطلاع دیدی لیکن نظارت تعلیم مبلغین کلاس جاری کرنے پر اس وقت تک تیار نہ تھی جب تک کہ تین طالب علم نہ ہو جاتے۔ حتیٰ کہ اس انتظار میں دو ماہ کا عرصہ گزر گیا اور موسمی رخصتوں کے لئے کالج بند ہونے لگا۔ مکرم حافظ صاحبؓ کو بہت فکر تھا کہ اگر کلاس جاری نہ ہوئی تو مجھے وظیفہ نہیں ملے گا اور ایک عیالدار کا گذارہ کس طرح ہوگا۔ بالآخر کوشش کرکے مکرم حافظ صاحبؓ نے دو اور نوجوانوں کو جن میں سے ایک نے سنہ ۲۷ء میں امتحان دیا تھا اور نتیجہ نکلنے والا تھا۔ اور دوسرا نوجوان مولوی فاضل تھا اور سابقہ ملازمت سے فارغ ہو چکا تھا۔ ان کو اپنی زندگی وقف کرنے کی تحریک کی اور وہ آمادہ ہو گئے۔ اس طرح سے کلاس جاری ہو گئی۔ اور ابھی رخصتوں میں ایک دن باقی تھا اس دن حضرت حافظ صاحبؓ نے اس شعر کے بلند آواز سے خود پڑھنے اور ہم شاگردوں کے بلند آواز سے دہرانے پر ہی اکتفا کیا۔ وہ شعر یہ تھا ؎

کس بچشم یار صدیقے نہ شد ÷ تا بچشم غیر زندیقے نہ شد

حضرت حافظ صاحب مفتیٔ سلسلہ عالیہ بھی تھے۔ جو خطوط احباب کی طرف سے آتے انہیں اپنی جیب میں محفوظ رکھتے اور ہر وقت ڈاکخانے کے سادے کارڈ اور لفافے بھی ساتھ رکھتے تھے اور مجھے ارشاد فرمایا ہوا تھا کہ تم اپنے قلم میں سیاہی تیار رکھا کرو۔ تاکہ جب بھی فرصت کا موقعہ ملے گھر پر یا مسجد میں ان خطوط کے جوابات لکھوانے کی صورت ہوجایا کرے۔ اس طرح سے استفتاء کے خطوط جمع نہیں ہونے دیتے تھے۔ فتویٰ کے آخر میں اپنے دستخط بھی "روشن علی" کرتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب ہمیشہ اپنے پاس جیبی گھڑی بھی رکھتے تھے اور اوقات کی پابندی کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر مکرم والد صاحب بزرگوار مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی مرحومؓ یوں فرمایا کرتے تھے کہ مکرم حافظ صاحبؓ نے ان سے خود ذکر فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کے زمانہ میں ایک دن ایسا ہوا کہ مکرم حافظ صاحبؓ کھانا کھا کر نہ آسکے اور درس میں بیٹھے بیٹھے دوسرے کھانے کا وقت ہوگیا اور مکرم حافظ صاحب بھوک کو بہت زیادہ محسوس کرنے لگے لیکن دورانِ درس اُٹھنا بھی جی نہ چاہتا تھا۔ اس وقت ایسا ہوا کہ جیسے اس جگہ ہی درس کا نظارہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا اور سامنے دسترخوان بچھ گیا جس پر گوشت اور بعض اور کھانے بھی نہایت اعلیٰ قسم کے پکے ہوئے موجود تھے۔ مکرم حافظ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے خوب پیٹ بھر کر وہ کھانا کھایا۔ پھر دسترخوان اٹھا لیا گیا۔ اور پھر دیکھتا ہوں کہ درس ہو رہا ہے۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہوا کہ اس کشفی واقعہ میں کتنا عرصہ لگا۔ لیکن جب نظارہ درس والا آیا تو میرے مُنہ میں ان کھانوں کا ذائقہ محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر محسوس کیا کہ پیٹ بھی بھرا ہوا ہے اور بھوک بالکل نہ تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت سے مکرم حافظ صاحبؓ کو نوازا۔

مکرم حافظ صاحبؓ کی اپنے شاگردوں سے اس ہمدردی کا تقاضا تھا کہ جس شخص کو بھی آپ کے پاس بیٹھنے کا موقعہ ملتا تھا وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔ چنانچہ جب آپ بیمار ہوئے تو دارالسلام کوٹھی نواب محمد علی خان صاحبؓ کے ایک حصہ میں آپ کا قیام تھا۔ وہاں ہر وقت آپ کے شاگردوں کی آمدورفت رہتی تھی اور اکثر دن کا زیادہ حصہ وہاں گزارتے تھے۔ تاکہ ایسے شفیق اور مہربان استاد کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کے متعلق سولہ روایات

(از جناب مولوی محمد شاہزادہ خان صاحب یکے از شاگردان حضرت حافظ صاحبؓ)

(۱) حضرت حافظ صاحبؓ نے فرمایا کہ "ہماری والدہ نے ہماری تربیت اعلیٰ پیمانہ پر کی۔ ایک دفعہ مجھے ایک لڑکے نے بلایا کہ روشن علی تمہارے کھیت میں کسی کا بیل چر رہا ہے آؤ اس کے مالک کو گالیاں دیں۔ میں نے کہا ٹھہر جاؤ میں اپنی والدہ سے پوچھوں۔ میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ ہمارے کھیت میں کسی کا بیل چر رہا ہے ہم اس کے

مالک کو گالیاں دیں؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ چاہے بیل سارا کھیت کھا جائے گالی نہیں دیتا۔ گالی دی تو زبان کاٹ دوں گی۔"

(۲) فرمایا "ہمارے ذمہ ساہوکار کا قرضہ تھا۔ ہم نے بھینس وغیرہ بیچ کر ان کا قرضہ بے باق کیا۔ ہندو کہہ رہا تھا کہ بھینس رہنے دو کچھ قرضہ رہ جائے تو کونسی بات ہے۔ ہم نے کہا نہیں قرضہ اتر جائے تو اچھا ہے۔"

(۳) فرمایا "ہمارے بھائیوں نے آپس میں بیٹھ کر کام تقسیم کیا۔ کسی کے ذمہ کچھ لگایا کسی کے ذمہ کچھ۔ والدہ نے کہا روشن علی کے ذمہ بھی کچھ لگا دو۔ انہوں نے کہا یہ تو ہمارے سر آنکھوں پر۔ فرمایا کہ اگرچہ الفاظ انہوں نے محتاط بولے مگر پھر بھی خداوند تعالےٰ نے مجھے سب بھائیوں سے بڑا مقام عطا کیا۔"

(نوٹ۔ حضرت حافظ صاحبؓ ایک آنکھ سے کلیۃً معذور تھے اور دوسری آنکھ سے بمشکل راستہ دیکھتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ان کو معذور سمجھ کر ان کے ذمہ کوئی کام نہیں لگایا۔)

(۴) فرمایا "ہم سب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ میرے بھائی نے جو افریقہ میں ڈاکٹر تھے مجھے پانچ روپیہ ماہوار دینا کیا تو میں نے حضرت مولوی صاحبؓ سے کہا اب میرا بھائی مجھے پانچ روپیہ ماہوار دیتا ہے' اب مجھے اپنا کھانا کھانا چاہیئے۔ مولوی صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا کہ حافظ روشن علی یہ کہتا ہے تو حضورؑ نے فرمایا۔ حافظ صاحب نے کھانا ہمارے ساتھ کھانا ہوگا وہ رقم اپنی اور ضروریات میں خرچ کیا کریں۔ حافظ صاحبؓ نے فرمایا حضورؑ کے اس ارشاد سے مجھے اپنی اصلاح کا موقعہ مل گیا۔ میں نے دل میں کہا کہ پہلے تو میں مجبوراً لنگر کا کھانا کھایا کرتا تھا لیکن اب حضورؑ کے حکم سے کھاتا ہوں۔ اگر اب بھی اپنے نفس کی اصلاح نہ کروں تو مجھ سے بدتر انسان کوئی نہ ہوگا

(۵) فرمایا "حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ ہر وقت ہماری اصلاح اور تربیت کا خیال رکھتے تھے۔ ایک روز جمعہ تھا۔ درس سے رخصت تھی۔ میں مولوی صاحب کے پاس جا کر بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر جانے لگا تو فرمایا۔ حافظ صاحب آپ آئے اور چلے گئے۔ نہ آپ نے فائدہ اٹھایا اور نہ ہم کو فائدہ پہنچایا۔"

(۶) فرمایا "ایک دن بوجہ جمعہ کے رخصت تھی۔ میں گھر میں تھا۔ دروازہ سے آواز آئی۔ گھبرا کر اٹھا کہ یہ تو مولوی صاحب کی آواز ہے اللہ تعالےٰ خیر کرے۔ جب دروازہ پر گیا تو دیکھا مولوی صاحب بغل میں بہت سی کتب لئے کھڑے ہیں۔ فرمایا آپ نے میرا قرضہ دینا تھا وہ آپ نے ادا کر دیا ہے' اب یہ کتابیں لے لو۔ اتنے روپیہ کی ہیں۔ اب پھر آپ میرے مقروض ہوگئے۔ یہ اس لئے لایا ہوں کہ آپ خدا سے غافل نہ ہوں۔"

(۷) فرمایا "حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ نے مجھے کہا۔ آپ میرے بال بچوں کو پڑھایا کریں۔ پانچ روپیہ ماہوار تنخواہ ملے گی۔ میں نے اس کا ذکر حضرت مولوی صاحبؓ سے کیا تو مولوی صاحبؓ نے فرمایا میں بڑا ہی خوش قسمت ہوں گا اگر میرے ذریعہ سے نواب صاحب کے گھر قرآن کریم کا علم پہنچے۔

(۸) فرمایا "حضرت خلیفہ اولؓ کے عہد میں مولوی ذوالفقار علی خان صاحب قادیان آئے تو

مولوی صدرالدین صاحب ان کو ملے اور کہا کہ سلسلہ میں کچھ اختلافات ہیں وہ مٹانے چاہئیں۔ مولوی ذوالفقار علی خان صاحب نے مجھ سے ذکر کیا تو میں نے کہا چلئے مولوی صاحب کے پاس۔ وہ خلیفہ ہیں ان کے آگے ذکر کریں۔ جس کا کام ہے اس کے سامنے ذکر کرنا چاہیئے۔ میرے سامنے ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔ چنانچہ مولوی ذوالفقار علی خان صاحب سمجھے کہ در اصل مولوی صدرالدین صاحب فتنہ ڈالنا چاہتے ہیں۔"

(۹) فرمایا "جب میں اکیلا تھا پانچ روپیہ تنخواہ تھی جب شادی ہوگئی تو دس روپیہ ہوگئے۔ جب بچی پیدا ہوئی تو پندرہ روپیہ ہوگئے۔" فرمایا جتنی ضروریات بڑھتی گئیں اتنی ہی ساتھ ساتھ آمدنی بھی بڑھتی گئی۔

(۱۰) ایک دن پڑھاتے پڑھاتے فرمایا "ہمیں تو اپنے شاگرد جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔"

(۱۱) ایک دن میں نے پوچھا۔ حافظ صاحب آپ کو کتنے شعر یاد ہیں۔ فرمایا "پہلے تو ہزاروں عربی اشعار یاد تھے مگر اب حافظہ کمزور ہوگیا ہے بہت سے بھول گئے ہیں۔"

(۱۲) جب حضرت حافظ صاحب صحاح ستہ کے علاوہ مؤطا امام مالک اور منتقیٰ ابن تیمیہ بھی پڑھا چکے تو آپ نے کلاس کی پرتکلف دعوت کی اور اپنے دست مبارک سے لوٹا اٹھا کر ہمارے ہاتھ دھلائے جب میں لوٹا چھیننے لگا تو میرے ہاتھ کو ہٹا دیا اور خود یکے بعد دیگرے اپنے طلبہ کے ہاتھ دھلائے۔ اور بڑے خوش تھے کہ ہم نے اپنے آقا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام پڑھایا۔ اللہ اللہ! کیا وہ محبت اور تعلق جو اساتذہ اور شاگرد تلامذہ کے مابین اب تو خواب کا نظارہ دکھائی دیتا ہے۔

(۱۳) جماعت کو فقہ کی کتاب کی ضرورت تھی تو حافظ صاحب رضی کو دعوۃ و تبلیغ سے ارشاد ہوا۔ چنانچہ حافظ صاحب رضی نے ہدایہ کے مطالعہ سے یہ کتاب تیار کی اور مطالعہ کے لئے ہم میں سے روز ایک شاگرد کی ڈیوٹی لگائی اس سے بھی آپ کے علم کا اندازہ لگ سکتا ہے۔

(۱۴) حضرت حافظ صاحب رض نے باوجود بیماری کے شملہ میں قرآن کریم کا درس شروع کیا۔ نواب محمد علیخان صاحب کا ایک مختار تھا جس کا نام اغلباً منشی احمدالدین صاحب تھا۔ حافظ صاحب رض نے منشی صاحب کو کہا کہ منشی صاحب جو روایت آپ نے مجھے سنائی تھی وہ ایک دفعہ پھر ان کے سامنے بھی ذکر کرتا تاکہ روایت کا ایک درجہ اسناد کم ہو۔ منشی صاحب نے ذکر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں دیکھا کہ میرا لڑکا بیمار ہو کر فوت ہوگیا ہے جب حضور اُٹھے، لڑکے کی نبض پر ہاتھ رکھا تو بالکل تندرست تھا مگر کچھ دیر کے بعد بخار چڑھا اور بخار تیز ہوتا رہا حتیٰ کہ بچہ فوت ہوگیا۔ حضور کے چہرے پر کوئی ملال نہیں تھا بلکہ ہشاش بشاش تھے کہ خدا کا الہام پورا ہوگیا۔ جب دفنانے کے لئے لیجانے لگے تو حضور نے خود اُسے اٹھایا۔ ایک دوست نے کہا حضور مجھے دیدیں میں اٹھاتا ہوں۔ تو حضور نے فرمایا۔ نہیں یہ میرا بچہ ہے میں خود اسے اٹھاؤنگا۔ اس روایت کو میرے اور برادرم مکرم مولوی ظہور حسین صاحب کے سامنے بیان کروایا۔"

(۱۵) شملہ میں حافظ صاحب نے ایک ڈاکٹر سے اپنے دانتوں کے معائنہ کے لئے وقت لیا۔ ڈاکٹر نے دن اور وقت مقرر کیا اور پندرہ روپے فیس کا مطالبہ کیا۔ یہ بات چیت فون پر ہوئی جو برادرم مکرم نواب زادہ محمد عبداللہ خان صاحب نے کی۔ ان دنوں نواب

رضوی صاحب ساکن حیدر آباد دکن اپنے کسی کام کیلئے دو چار دن کے لئے شملہ آئے ہوئے تھے۔ چونکہ وہ مخلص احمدی تھے اور حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں قادیان آتے جاتے تھے۔ لہذا حافظ صاحب ان کو ملنے کے لئے ان کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ ملاقات کے بعد نواب صاحب نے حافظ صاحب کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کیا۔ جب باہر آئے تو برادرم مکرم مولوی ظہور حسین صاحب اور میرے آگے راستہ میں حافظ صاحبؓ نے بیان کیا کہ میں نے ڈاکٹر کے پاس دانتوں کے معائنہ کے لئے جانا تھا۔ اس نے پندرہ روپیہ لینا کیا ہے۔ مگر میرے پاس صرف پانچ روپے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دس روپے دلا دیئے اور میری ضرورت پوری ہو گئی۔ یہ نمونہ ہے وھو یتولی الصالحین کا کہ خداوند تعالیٰ نیکوں کا خود متکفل ہو جاتا ہے۔

(۱۶) میری زندگی وقف تھی جب انجمن نے مجھے ہٹا دیا ابھی ملازمت نہیں ملی تھی تو فرمایا کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے کھاؤ جب ختم ہو جائے تو قرض نہ لینا بلکہ میاں بیوی ہمارے پاس آ کر مل کر رہیں گے۔ ہمارے ساتھ مل کر کھاؤ۔ نقد پیسہ دینا مشکل ہے مگر پکا پکایا کھانا مل کر کھانا آسان ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے گھر میں کوئی لڑکا نہیں ہے، اور میں معذور ہوں لہذا پردہ میں بھی دقت نہیں ہو گی۔ یہ ہے اس کا نمونہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے مابین رشتہ قائم کیا تھا۔ اگرچہ میں نے حافظ صاحبؓ کے گھر کا کھانا نہیں کھایا مگر حافظ صاحبؓ نے تو صحابہ کا نمونہ پیش کیا جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اپنے شاگردوں سے انتہائی ہمدردی

(از جناب عبد المجید المنیب صاحب ہلالپوری معلم وقف جدید)

(۱) غالباً ۱۹۱۹ء میں خاکسار بغرض تعلیم قادیان پہنچا اور حضرت عمویم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل مرحوم ہلالپوری کی معیت میں حضرت حافظ صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست ھل تعلمن مما علمت رشدًا پیش کی۔ حضرت حافظ صاحبؓ نے از راہِ غریب پروری شرفِ قبولیت بخشا اور فرمایا کہ حافظ محمد رمضان صاحب اور آپ دونوں مل کر مسجد نور میں معاً بعد از نماز ظہر مجھ سے پڑھ لیا کریں۔ فرمایا کہ آپ کو یاد رہے کہ میں خیانت کرنے والوں کو نہیں پڑھایا کرتا۔ مجھے فکر ہوا کہ یہاں خیانت کا کیا تعلق ہے۔ فرمایا کہ جو سبق میں آپ کو دوں وہ بلا کم و کاست اگر دوسرے روز سنا دیں تو آپ امین ورنہ خائن۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ امین بننے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔

(۲) پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ میں ایک حدیث تم کو سناتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ما دام العبد فی عون اخیہ کان اللہ فی عونہ۔ حافظ محمد رمضان صاحب چونکہ معذور

ہیں آپ ان کے سبق یاد کرلینے میں مدد کرتے رہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔

(۳) آپ نے ہمیں وقت کی پابندی کی بہت ہی تاکید فرمائی کہ معاً بعد از نماز ظہر سبق شروع کرنا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ ایک دن آپ کچھ دیر کے بعد تشریف لائے ہم انتظار کرتے رہے۔ جب آپ تشریف لائے تو خود ہی فرمانے لگے کہ میں وقت سے آدھ گھنٹہ لیٹ پہنچا ہوں اسلئے کہ میری لڑکی کے گھر چوری ہو گئی ہے اور چور تھیلی تک نہیں چھوڑ گئے۔ ہمیں چوروں کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ تھانیدار علاقہ نے مجھے ٹھہرا لیا کہ آپ مشتبہ لوگوں کے نام ہی لکھا دیں۔ اس نے اپنی بات پر اصرار و تکرار کیا۔ مگر میں نے اس کو ہر دفعہ یہی کہا کہ چونکہ ہمیں چوروں کا کوئی علم نہیں ہے اسلئے میں کسی کا نام ہرگز نہیں لکھوا سکتا۔

(۴) جب آپ کی مرض ذیابیطس شدت اختیار کرگئی، تو ڈاکٹری مشورہ کے مطابق آپ کو سلسلۂ درس و تدریس سے روکا گیا مگر اس وقت بھی آپ کی منشاء کے مطابق استفادہ کرنے والوں کا آپ کے گرد ہالہ بنا رہتا تھا۔ مذکورہ بالا ڈاکٹری مشورہ کے بعد آپ کی ہمدردی کے پیش نظر جب ہم نے خود ہی آپ سے پڑھنا چھوڑ دیا تو میرے تعلیمی نظام میں خلل عظیم واقع ہوگیا۔ خاکسار بغرض عیادت ایک دن جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے مہربان استاذ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ عبد المجید تمہاری پڑھائی کا کیا حال ہے میں نے حقیقت حال عرض کیا تو آپ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اس طالب علم کو پڑھنے کا شوق ہے مگر اسکو کوئی (فی سبیل اللہ) نہیں پڑھاتا۔ پھر آپ نے خاکسار سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم کتاب لے کر ہر روز میری عیادت کو آیا کرو، تا سبق اور ثواب دونوں لیجایا کرو۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حضرت حافظ صاحبؓ کی صحت کا خیال تم کو اپنی تعلیم سے مقدم رکھنا چاہیئے۔ اس لئے میں نے حضرت حافظ صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی صحت کا خیال اپنی تعلیم سے مقدم رکھا۔ مگر حضرت حافظ صاحبؓ کی شفقتیں اور مہربانیاں ہمیشہ میرے سامنے رہتی ہیں ؎

اپنے ایک محسن کی یاد میں

(از جناب حکیم عبد اللطیف صاحب شاہد گوالمنڈی لاہور)

خاکسار نے حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے ۱۹۱۹ء کے ماہ مارچ میں منعقد ہونے والے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر دیکھا جس پر آپ کی تقریر سننے کا بھی اتفاق ہوا۔ دوبارہ پھر ۱۹۲۰ء میں آیا تیسری بار ۱۹۲۱ء میں آیا اور پھر ایک عرصہ تک قادیان میں ٹھہرا۔ مجھے یاد ہے ایک دن میں نہایت غم و کرب کی حالت میں حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے قادیان آنے کی غرض، اپنے وطن گجرات اور

دینی تعلیم کے خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کا درد مند دل کے ساتھ ذکر کیا جس پر آپ نے مجھے از حد تسلی دی اور غالباً اسی دن یا دوسرے دن مدرسہ احمدیہ کی پانچویں جماعت میں میرے داخلہ نیز کتب نصاب کا انتظام فرما دیا۔

علاوہ ازیں آپ نے میرے لئے لباس کا بھی انتظام فرمایا اور اپنا لباس جو شلوار، قمیص، شیروانی اور پگڑی پر مشتمل تھا مجھے پہنا دیا۔ جو بالکل نیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے اپنے بھتیجے پیر عبدالعلی صاحب کے ذریعہ جو اس وقت آپ کے پاس رہ کر دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے، وہ لباس مجھے بھجوایا اور فرمایا کہ اسے ابھی پہن لیں۔ وہ روز جمعہ کا تھا اور میں آپ کے عطا کردہ تمام سفید، اُجلے اور قیمتی کپڑوں کو پہن کر مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا کرنے چلا گیا۔ آپ کی شفقت اب تک مجھے یاد ہے اور میں آپ کی ترقی درجات کے لئے دعائیں کرتا رہتا ہوں۔

آپ کی شاگردوں سے شفقت کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے کہ ایک بار مولوی ظل الرحمٰن صاحب فاضل مبلغ بنگال نے آپ کے سامنے رو کر یہ درخواست کی۔ کہ میرے والد غیر احمدی ہیں ان کی ہدایت کے لئے دعا کریں۔ آپ نے اپنے شاگرد کی اس درخواست کو بڑی توجہ سے سُنا اور پورے انہماک سے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اور مولوی صاحب کے والد بوجود دقیانوسی خیالات کے انسان تھے بہت جلد قادیان آکر داخلِ سلسلہ ہو گئے۔ وہ مثنوی کے بڑے عالم تھے۔ اور احمدیت سے پہلے بڑی خوش الحانی اور سوز کے ساتھ اسے پڑھا کرتے اور بنگال میں اس کا درس دیا کرتے تھے۔

حضرت حافظ صاحبؓ کا اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک بے مثال تھا۔ ہم نے اکثر دیکھا کہ آپ علی الصبح ان کو سیر اور چہل قدمی کے لئے ساتھ لے جاتے۔

۱۹۲۸ء کے سفر کشمیر میں بھی آپ ان کو ساتھ لے گئے۔ خاکسار بھی انہی ایام میں سری نگر گیا ہوا تھا۔ جمعہ کی نماز میں آپ کی قیامگاہ میں آکر ادا کرتا۔ آپ اپنے ماموں مولوی نذیر احمدؓ صاحب ہوم منسٹر ریاست جموں و کشمیر کی کوٹھی میں مقیم تھے۔ ایک بار آپ کے ساتھ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت کرنے کا موقعہ بھی ملا۔ جہاں ہم سب اہلِ قافلہ نے مل کر دعا کی۔

آخر میں عربی کے دو تین اشعار جو میرے استاد مولوی عبدالکریم صاحب فتحپوری گجراتیؓ نے غالباً میرے ساتھ حسنِ سلوک کی اطلاع ملنے پر متاثر ہو کر کہے تھے درج کر کے اس تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دوستوں سے ایسے محسنِ جماعت بزرگ، عالِم، متقی، ہمدرد کے لئے ترقی درجات کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں ؎

وسلّم علی الفاضل الامثل
افندی الّذی قدرہ المعتلی
ومن فی روحی ثوی حُبُّہٗ
وقلبی لہٗ صار کالمنزل
ولا غرو ان من سناہ الدّجیٰ
غدا ینجلی فھو روشن علی

یہ نظم لمبی تھی مجھے اس وقت صرف یہ تین شعر یاد ہیں +

حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم کے بیان فرمودہ

دو ایمان افروز واقعات

(محترم جناب شیخ بشیر احمد صاحب جج مغربی پاکستان ہائی کورٹ لاہور)

زندہ قومیں اپنے مشاہیر کی یاد کو تازہ رکھتی ہیں اور اسے کسی حال میں بھی محو نہیں ہونے دیتیں۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا ابو العطاء صاحب کو یہ توفیق دی ہے کہ وہ اس فرض کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ پڑھ کر کہ وہ حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ سے متعلق الفرقان کا ایک خاص نمبر شائع کر رہے ہیں، میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی اس ثواب میں کچھ حصہ لوں۔ میرے علم میں حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم کی زندگی کے دو واقعات ایسے ہیں کہ وہ سلسلہ کی تاریخ میں محفوظ ہو جانے چاہئیں۔ میں نے مناسب خیال کیا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں قلمبند کر دوں۔

سنہ ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء کی بات ہے کہ میں مولوی عبدالسلام صاحب عمر مرحوم کی شادی کی تقریب پر قادیان سے کلکتہ روانہ ہوا۔ یہ قافلہ چند افراد پر مشتمل تھا۔ اس میں حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بادی علی خان صاحب مرحوم (ابن حضرت مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر) اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے افراد شامل تھے۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے سفر کے دوران میں بیان کیا کہ گریہ و زاری کے دو واقعات ایسے ہیں کہ جنہوں نے ان کی زندگی پر ایک مستقل اثر چھوڑا ہے۔

(۱) حضرت حافظ صاحب مرحوم نے فرمایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں جب اول اول انہوں نے حضور علیہ السلام کا یہ مصرعہ پڑھا کہ:

پیشہ ہے رونا ہمارا پیش ربّ ذوالمنن

تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ وہ یہ دیکھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے مولیٰ کے حضور کس طرح روتے اور آہ و زاری کرتے ہیں۔ ایک رات حضرت حافظ صاحب مرحوم تہجد کی نماز ادا کرنے کے لئے بیدار ہوئے تو دبے پاؤں انہوں نے اس کمرے کا رُخ کیا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام شب باش ہوا کرتے تھے۔ دروازے کے قریب پہنچے تو انہیں رونے کی ایک دردناک آواز آئی اور انہیں یوں محسوس ہوا کہ گویا ایک ذبح کیا ہوا بکرا تڑپ رہا ہے۔ انہوں نے دروازے سے کان لگائے تو فوراً پہچان لیا کہ یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز ہے۔

(۲) گریہ و زاری کا دوسرا واقعہ جس کا اس موقع پر حضرت حافظ صاحب مرحوم نے ذکر فرمایا آپ کے ایک سعادت مند شاگرد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس واقعہ سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ابتداء میں ہمارے واقفین زندگی نے کن حالات سے دوچار ہو کر علم دین حاصل

کیا اور پھر خدا کے دین کی خدمت کے لئے کس بشاشتِ قلب کے ساتھ اپنی زندگیاں پیش کیں۔ حضرت حافظ صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ مبلغین کلاسز کے معلّمِ اعلیٰ تھے۔ آپ نے فرمایا ان متعلمین کو پانچ یا چھ روپے وظیفہ ملتا تھا جن میں سے تین چار روپے تو کھانے وغیرہ پر اُٹھ جاتے تھے اور باقی رقم سے وہ اپنی دیگر ضروریات پوری کرتے تھے۔ اُن دنوں انجمن کی مالی حالت غیر تسلی بخش تھی جس کی وجہ سے متعلمین کو وظیفے کی یہ قلیل رقم بھی وقت پر نہ ملا کرتی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کئی کئی ماہ کا وظیفہ اکٹھا ہی ملتا۔ ایسی تنگی کے وقت میں متعلمین کو بے حد پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا لیکن وہ صبر سے ان حالات میں گزارہ کرتے اور تحصیلِ علم میں مصروف رہتے۔ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کا متعلمین کے ساتھ تعلق اور جذبۂ محبت شفیق باپ اور بیٹے کا سا تھا۔ متعلمین اکثر اوقات حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ سے کچھ رقم قرض لے لیتے اور جب اکٹھا وظیفہ ملتا تو رقم ادا کر دیتے۔

حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن وہ شاگردوں کو پڑھا کر گھر واپس جا رہے تھے (اُن دنوں حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ مسجد مبارک کے قریب حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مکان کے بالائی حصہ کے ایک چوبارے میں رہتے تھے) جب وہ سیڑھیوں پر چڑھنے لگے تو مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی نے جو آج کل مشرقی پاکستان میں بطور مربی خدمات بجا لا رہے ہیں "حافظ صاحب" کہہ کر آواز دی۔ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ ان بیچاروں کو وظیفہ نہیں ملا ہے شاید کچھ رقم کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کیوں میاں ظل الرحمٰن کچھ روپوں کی ضرورت ہے؟ مولوی ظل الرحمٰن صاحب نے آگے بڑھ کر حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور زار و قطار رونے لگے۔ وہ اسقدر دردناک آواز سے رو رہے تھے کہ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور دلاسہ دیتے ہوئے پوچھا کیا بات ہے! ظل الرحمٰن کیوں روتے ہو؟ انہوں نے نہایت درد بھری آواز میں کہا۔ حافظ صاحب! میرے والد محترم اپنے علاقے کے پیر ہیں۔ لوگوں کو ان سے بہت عقیدت ہے، بے شمار لوگ ان کے مرید ہیں۔ میں نے انہیں بہت تبلیغ کی لیکن میری باتوں کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ مولوی صاحب زار و قطار رو رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کیا میرے والد امامِ وقت کو شناخت کئے بغیر جاہلیت کی موت مریں گے۔ دعا کریں۔ اللہ تعالےٰ میرے والد کو ہدایت نصیب کر دے۔ حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کا رونا اور درد انگیز اضطراب کچھ اس انداز کا تھا کہ میں نے بے اختیار ہو کر وعدہ کیا کہ میں ان کے والد کے لئے ضرور دعا کروں گا۔ اس کے بعد حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کی مسلسل یہ کیفیت رہی کہ جب نماز پڑھتے تو مولوی ظل الرحمٰن صاحب کی وہ درد انگیز حالت آنکھوں کے سامنے آجاتی۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو مولوی ظل الرحمٰن التجا کرتے ہوئے دکھائی دیتے۔ چنانچہ حضرت حافظ صاحب مسلسل مولوی ظل الرحمٰن صاحب کے والد کے لئے دعا کرتے رہے۔ اسی دوران میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے جو اُن دنوں شملے میں قیام فرما تھے حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ حافظ صاحب حضور کے ارشاد کی تعمیل میں شملے روانہ ہو گئے۔ سفر میں بھی مولوی ظل الرحمٰن کا رونا ہر آن ان کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا اور وہ برابر دعائیں لگے رہے۔ جب حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ شملہ پہنچے تو حضور کی خدمت میں بھی دعا کے لئے عرض کیا۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت حضور بڑی سرعت کے ساتھ کمرے سے باہر تشریف لائے اور فرمایا حافظ صاحب!

مبارک ہو ' مولوی ظل الرحمٰن کے والد کی تار آئی ہے جس میں انہوں نے بیعت قبول کرنے کی درخواست کی ہے۔

یہ واقعات بیان کرتے ہوئے حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رونے اور گریہ و زاری کرنے کے ان دو واقعات کا میری ذات پر اتنا گہرا اثر ہے کہ کسی وقت میں دعا کرنا چاہوں اور قبض کی حالت کے باعث دعا کی طرف طبیعت مائل نہ ہو تو اگر یہ دو رونے مجھے یاد آجائیں تو طبیعت فوراً دُعا کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔

یہ واقعات آئینہ دار ہیں اُس زندگی کے جس کا احمدیت ہم سے تقاضہ کرتی ہے۔ کاش ہمارے دوسرے بھائی بھی اپنے والدین کے لئے وہی درد رکھتے ہوں جس درد نے مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی کے والد کو ہدایت نصیب کی کہ وہ اپنا وطن چھوڑ کر قادیان آگئے اور اب بہشتی مقبرہ میں اپنے آقا کے قدموں میں دفن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم احمدیت کی روح کو سمجھ سکیں اور اپنی زندگیوں کو اس کے سانچے میں ڈھال کر فائز المرام ہوسکیں۔ آمین ؏

احمدیت کا بطل جلیل

(بقیہ صفحہ ۴۳)

جاذب بن جاتے ہیں۔ ہم سب فانی ہیں۔ لیکن جس کام کے لئے ہم کھڑے کئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو موت و حیات کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ غیر معلوم اسباب کے ذریعے اپنے کام کی تائید کرے گا۔

چونکہ ہماری جماعت ہمارے پیارے اور معزز بھائی کی بہت ممنون ہے اسلئے

میں درخواست کرتا ہوں کہ تمام دنیا بھر کی احمدیہ جماعتیں آپ کا جنازہ پڑھیں۔ یہ آخری خدمت ہے جو ہم اپنے مرحوم بھائی کی ادا کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ بدلہ ان بیش قیمت خدمات کے مقابلہ میں جو انہوں نے اسلام کے لئے کیں کیا حقیقت رکھتا ہے۔

میں احباب کے ساتھ سربینگر میں نماز جنازہ پڑھوں گا۔ اگر لاش کے متغیر ہوجانے کا خوف نہ ہوتا تو التوائے تدفین کی ہدایت دے کر میں اس آخری فرض کو ادا کرنے کے لئے خود قادیان آتا۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ہم سے رخصت ہوگئے ہیں اور ان پر بھی جو زندہ ہیں اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔"

(الفضل ۲۸ رجون ۱۹۲۹ء)

احمدیت کا ایک بطلِ جلیل

حضرت حافظ روشن علی رضی اللہ عنہ کی بیماری اور وفات

["احمدیت کا ایک بطلِ جلیل" کے عنوان سے مکرم جناب مولوی سلطان احمدؐ صاحب پیر کوٹی مولوی فاضل نے ایک جامع اور قیمتی مقالہ لکھا ہے جو ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے پورے طور پر کسی دوسری فرصت میں شائع کیا جائے گا۔ اس طویل مقالہ میں سے "بیماری اور وفات" کا حصہ درج ذیل ہے ——— (ایڈیٹر)]

بیماری اور وفات

حضرت حافظ صاحبؓ کئی سال سے ذیابیطس کی مرض میں مبتلا تھے۔ آپ نے اس کی زیادہ پرواہ نہ کی۔ صبح و شام علمی مشاغل میں مشغول رہے۔ اور علاج معالجہ کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیماری کے ساتھ ساتھ دماغی محنت نے صحت پر اَور بُرا اثر ڈالا اور اصل مرض سے زیادہ اَور عوارض پیدا ہو گئے۔ وفات سے کوئی دو سال قبل پیشاب میں البیومن خارج ہونے لگ گئی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اعصابی قسم کے عوارض بھی لاحق ہو گئے اور گردے میں رکاوٹ کی وجہ سے خون میں زہریلے مواد پیدا ہو گئے۔ جن کی وجہ سے دل اور دماغ پر زہریلا اثر نمودار ہونے لگا۔ آپ کی بصارت پر بیماری کا نہایت ناخوشگوار اثر پڑا۔ ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت آپ کی دماغی مشقت کم کرائی گئی اور علاج کی طرف باقاعدہ توجہ کی گئی۔ اور اس خیال سے کہ شاید تبدیلیٔ آب و ہوا کی وجہ سے صحت پر کوئی اچھا اثر پڑجائے آپ کو کشمیر بھجوایا گیا۔ لیکن اس سے کوئی فائدہ پہنچنے کی بجائے بیماری میں اَور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ دل کی حرکت تیز ہو گئی اور تنگیٔ تنفس کے دَورے پڑنے لگے۔ یہ دَورے ہفتہ دو ہفتہ کے بعد ہوجاتے تھے۔ جامعہ احمدیہ سے جہاں آپ بطور پروفیسر تعینات تھے آپ کو دفتری طور پر چھ ماہ کی رخصت دلائی گئی لیکن سردی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ کی تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ بیماری تشویشناک حالت تک بڑھ گئی۔

سلسلہ کے ایک جیّد عالم ہونے کی وجہ سے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے آپ کے علاج کی طرف خاص اور ذاتی طور پر توجہ فرمائی اور آپ کے معالج محترم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کے ساتھ مزید ڈاکٹروں کو بھی آپ کے علاج معالجہ پر خاص توجہ دینے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے ماتحت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم رضؓ اور ڈاکٹر سید حبیب اللہ صاحب مرحوم نے محترم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب کے ساتھ مل کر باہمی مشورہ سے حضرت حافظ صاحبؓ کا علاج کرنا شروع کیا اور ان حضرات کی شب و روز کی توجہ کے نتیجہ میں بیماری میں افاقہ ہونا شروع ہوا۔ اور صحت میں ترقی گو بتدریج ہو رہی تھی لیکن بہرحال اُمید بندھنے لگی کہ تھوڑے عرصہ میں اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو آپ کو کامل شفا ہو جائے گی۔

حضرت حافظ صاحبؓ کو علاج کے نتیجہ میں اس قدر

افاقہ ہوگیا تھا کہ آپ نے جلسہ سالانہ ۱۹۲۸ء میں بطور سامع شرکت فرمائی لیکن جلسہ کے اگلے روز یعنی ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۸ء کی شام کو دماغ میں جریانِ خون کی وجہ سے آپ کے دائیں جانب فالج کا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے گویائی پر بھی بُرا اثر پڑا اور بیماری دوبارہ تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔ لیکن چند گھنٹہ کی تگ و دو اور طبی امداد کے نتیجہ میں قدرے افاقہ کی صورت پیدا ہوگئی اور بعد میں بتدریج صحت میں ترقی ہوتی گئی۔ قوتِ گویائی میں بھی نمایاں فرق پڑ گیا۔ ہاتھ پاؤں میں حرکت پیدا ہوگئی اور وہ وقت بھی آگیا کہ آپ لکڑی کے سہارا چل پھر بھی لیتے تھے۔ ۱۹۲۹ء کی شوریٰ میں آپ نے شمولیت فرمائی اور حسب معمول تلاوت قرآن کریم بھی کی۔ آپ نے ۱۴ر اپریل ۱۹۲۹ء کو ڈاکٹر میجر شاہ نواز صاحب کو اپنی صحت کے متعلق لکھا کہ:۔

"میری صحت خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی کر رہی ہے۔ قریباً پچاس قدم تک لاٹھی کے سہارے چل سکتا ہوں۔ امید ہے وہ قادر خدا بہت جلد صحت دیگا۔ تیل عارف کی مالش ہوجاتی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے جو مجھ پر ہوگیا ورنہ ایسی بیماری میں جانبر ہونا مشکل نظر آتا تھا۔ آپ دعا جاری رکھیں۔" (الفضل ۴ر اکتوبر ۱۹۲۹ء)

بہرحال صحت میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا لیکن جون ۱۹۲۹ء میں وفات سے کچھ دن قبل عوارض نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ دوا تک جسم کے اندر پہنچنا محال ہوگیا اور چند ہی روز میں آپ شدید نڈھال ہوگئے۔ علاج معالجہ بیکار ہو کر رہ گیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی۔ اور آپ ۲۳ر جون ۱۹۲۹ء کی شام کو حرکتِ قلب بند ہونے کی وجہ سے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اور اس طرح یہ علم و فضل کا آفتاب جو چھوٹے بڑے، امیر و غریب، اپنے اور پرائے سب کو یکساں طور پر اپنے خدا تعالیٰ کے نور سے مستفید کر رہا تھا صفحۂ عالم سے ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

آخر وقت تک آپ کے حواس قائم تھے اور آپ اپنے شاگردوں اور دوسرے پاس بیٹھنے والوں سے باتیں کرتے رہے۔ آپ کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ نہ صرف آپ کو اس دنیائے فانی سے کلی انقطاع کا علم ہوچکا ہے بلکہ آپ اس کے لئے بے تاب و بے قرار ہیں۔

حضور کا تعزیتی تار

حضرت حافظ صاحبؓ کی وفات کے موقعہ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سرینگر کشمیر میں تھے۔ چنانچہ مقامی امیر حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ نے آپ کو اس صدمہ جانکاہ کے متعلق بذریعہ تار اطلاع دی۔ آپ نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیتی تار روانہ فرمایا:۔

"مولوی شیر علی صاحب کا تار حافظ روشن علی صاحب کی وفات کے متعلق پہنچا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں وہاں موجود نہیں ہوں تاکہ اس قابل قدر دوست اور زبردست حامی اسلام کی نماز جنازہ خود پڑھا سکوں۔ حافظ صاحب مولوی عبدالکریم ثانی تھے اور اس بات کے مستحق تھے کہ ہر ایک احمدی انہیں نہایت ہی عزت و توقیر کی نظر سے دیکھے۔ انہوں نے اسلام کی بڑی بھاری خدمت سرانجام دی ہے اور جب تک یہ مقدس سلسلہ دنیا میں قائم ہے انشاء اللہ ان کا کام کبھی نہ بھولے گا۔ ان کی وفات ہمارے سلسلہ اور اسلام کے لئے ایک بڑا صدمہ ہے لیکن ہمیشہ ایسے ہی بڑے صدمے ہوتے ہیں جنہیں اگر صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے

(باقی صفحہ پر)

حضرت حافظ صاحبؓ کے چند مناظرات

(از جناب مولوی عبدالکریم صاحب اسمبلی ہال بلڈنگز ۔ پشاور)

سنِ بلوغت کو پہنچنے کے بعد حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ نے محسوس کیا کہ ان کا سلسلہ (جس کی آپ کو خلافت ملی تھی) بھی صراطِ مستقیم سے دُور جا پڑا ہے ۔ بجائے تقویٰ وطہارت و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے کے وہ لوگ اتنے گر گئے کہ ان میں مشرکانہ رسمیں پیدا ہو گئیں اور اخلاق بھی اچھے نہیں رہے ۔ ان حالات سے متاثر ہو کر حضرت حافظ صاحبؓ نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ فرمائی ، اللہ تعالیٰ نے از راہِ لطف و کرم بذریعہ الہام و کشوف آپ پر یہ امر ظاہر فرمایا کہ حقیقی صوفی عصرِ حاضر میں سیدنا احمد قادیانیؑ ہیں ، اور آپ کے علمی مطالعہ نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی ۔ اس لئے آپؓ نے احمدیت کو قبول کرنے میں کسی قسم کا پس و پیش نہ کیا اور اپنی تمام چیزوں کو اس سرچشمۂ ہدایت سے سیراب ہونے کے لئے جو حضرت سیدنا احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کے ذریعہ سے جاری ہوا تھا قربان کر دیا ۔ آپ نے اس آسمانی شراب اور آبِ حیات کو خلوص و عقیدت سے نہ صرف خود چکھا بلکہ تا دمِ واپسیں تمام لوگوں کو اس چشمۂ ہدایت سے سیراب ہونے کی دعوت دیتے رہے ، جس سے آپ نے سیراب ہو کر سلوک کی تمام منازل طے کر کے حیاتِ ابدی حاصل کی ۔

خلافتِ ثانیہ کے قیام کے بعد معاً حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ نہایت ہمت اور جوانمردی سے خدماتِ سلسلہ میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے اور ہر کام اس محنت اور خلوص سے ادا فرماتے تھے کہ گویا سلسلہ کے تمام کاموں کی سرانجام دہی کی ذمہ داری کا بوجھ ان پر ہی ہے ۔

آپ صرف حافظِ قرآن ہی نہ تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کے فقیہہ ، محدّث ، لیکچرار ، مناظر ، اور معلّم بھی تھے جو اپنے شاگردوں کے سچے ہمدرد دوست و رفیق ، اور تعلیم کے ساتھ تربیت کرنے والے بھی تھے ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ مبشرین کلاس کے پہلے پرنسپل تھے ۔ ان کی پڑھائی علیحدہ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مسجد مبارک میں ہوا کرتی تھی ۔ ابتداء میں آپ اکیلے ہی مبلغین کلاس کو پڑھاتے تھے ۔ ایسے ہی ماہِ رمضان میں (گرمی ہو یا سردی) آپ اکیلے ہی سارے قرآن مجید کا درس نمازِ ظہر کے بعد دیا کرتے تھے ۔ آپ کو قرآن مجید اور احادیث پر اس قدر عبور تھا کہ بعض مولوی فاضل جب بخاری کا سبق پڑھتے تو وہ باوجود کتاب سامنے ہونے کے بعض اوقات غلط پڑھتے تھے مگر آپ ان کی ساتھ ساتھ تصحیح فرماتے جاتے ۔

جلسہ سالانہ پر آپؓ اکثر علمی مضامین پر تقاریر نہایت فصیح و بلیغ انداز میں فرماتے ۔ اسی طرح اُن کے دوسرے لیکچر بھی نہایت ہی معقول اور مدلّل ، ٹھوس علمی دلائل پر مشتمل ہوتے تھے ۔ آپ دقیق علمی مسائل کو نہایت سادہ الفاظ میں بیان کرتے تھے ۔ جسے ایک معمولی علم والا انسان بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے لیکچروں کی مقبولیت نہ صرف اعلیٰ درجہ کے علمی طبقہ میں تھی بلکہ عام احباب بھی جو دیہات کے رہنے والے تھے وہ بھی آپ کے

لیکچروں سے ایسے ہی مسحور ہوتے تھے جس طرح اہل علم ہوتے تھے۔ بمقام لنڈن ویمبلے مذہبی کانفرنس میں آپ کا ایک مضمون مسئلہ تصوف پر انگریزی میں ترجمہ کرکے سنایا گیا جو نہایت ہی اعلیٰ معلومات پر مشتمل ہے۔ آپ نے تصوف کے بنیادی اصول" اور" منازل تصوف" اور" اسلام اور تصوف" کے عنوانوں پر اس خوبی سے تبصرہ فرمایا کہ میں نے آج تک کوئی مقالہ ایسا نہیں پڑھا جس میں باوجود اس اختصار کے اس رنگ میں مسئلہ تصوف پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کو فن مناظرہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ نے ہر مذہب و ملت کے علماء سے اہم مسائل پر مناظرے کئے۔

فروری ۱۹۲۳ء میں آپ کا ایک مناظرہ اہل تشیع سے بمقام جلالپور جٹاں ضلع گجرات ہوا۔ اس مناظرہ کی شہرت قبل از وقت بذریعہ اخبارات بڑی دور دور تک ہوگئی تھی۔ میرے دوست حبیب اللہ صاحب کی تحریک پر یہ مناظرہ ہوا تھا۔ اس نے مجھے مناظرہ سے پہلے قادیان جاکر مبلغین کے لانے کے لئے بھیجا کیونکہ اس مناظرہ میں شیعوں نے بھی اپنے نامی گرامی علماء کو مدعو کیا ہوا تھا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ازراہ عنایت اس مناظرہ کے لئے حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اور حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ وہ بھی جائیں اور تین معاون یعنے مولانا جلال الدین صاحب شمس اور مولانا ظہور حسین صاحب اور مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی بھی ساتھ بھجوائے۔ میں نے راستہ میں ذکر کیا کہ شیعوں نے ایک حافظ صاحب (جسے لوگ حافظ کلہاڑا کہتے تھے) کو بھی بلایا ہے جو الٹا قرآن شریف پڑھتا ہے۔ حافظ صاحبؓ نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ میرے سامنے سیدھا قرآن شریف بھی نہ پڑھ سکیگا۔

جلالپور جٹاں کا مناظرہ دراصل جماعت احمدیہ کے مبلغین نے اہل سنت والجماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے شیعوں سے کیا تھا۔ شیعوں کا خیال تھا کہ ممکن ہے کہ فریق مخالف یہ اعتراض کرے کہ شیعوں میں کوئی حافظ قرآن نہیں ہوتا اسلئے انہوں نے حافظ کلہاڑا کو مناظرہ میں شمولیت کی دعوت دی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ہم نے یہ نشان اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شیعہ مناظر خود اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے پرچے بھی صحیح طور پر بوقت مناظرہ نہ پڑھ سکتا تھا۔ حافظ صاحبؓ کی ہیبت اس کے دل پر شدت سے طاری تھی۔ بوقت مناظرہ دو دن آٹھ دس ہزار کا مجمع ہوتا تھا۔ حافظ صاحب جب تقریر فرماتے اور نہایت ہی خوش الحانی سے آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتے تو ہر ایک پر ایک سناٹے کا عالم طاری ہوتا تھا۔ وہ مناظرہ اتنا پُر اثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوا کہ ۲۸ر فروری کے دن مناظرہ کے اختتام پر سب انسپکٹر پولیس غلام محمد صاحب جو ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے (اور مناظرہ گاہ میں امن قائم رکھنے پر مامور تھے) انہوں نے بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ میرا شیعہ مذہب سے تعلق تھا مگر اس مناظرہ کے سننے کے بعد شیعہ مذہب سے آج بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ موضع بجوانوالی اور کوٹ میر حسین کے لوگ جو شیعہ اصحاب کے زیر اثر تھے وہ شیعہ مذہب سے بیزار ہو گئے۔ اور برادرم حبیب اللہ خان مع اپنے دو رفیقوں کے جماعت احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ افسوس کہ برادرم حبیب اللہ کے ساتھ عمر نے وفا نہ کی ورنہ جلالپور جٹاں میں ایک مضبوط جماعت قائم ہو جاتی[1]

---

[1] مناظرہ جلالپور جٹاں "کلمۃ الحق" کے نام سے شائع شدہ ہے۔ آپ مکتبہ الفرقان سے بارہ آنے میں طلب فرما سکتے ہیں۔ بذریعہ ڈاک منگوانے پر محصول ڈاک علاوہ ہے۔

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ مرحوم دمشق میں

(جناب شیخ نور احمد صاحب منیر سابق مبلغ شام)

۱۹۲۴ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز انگلستان جاتے ہوئے دمشق بھی تشریف لے گئے۔ حضور کا قیام دمشق کی مسجد سنجقدار کے سامنے ایک ہوٹل "فندق الامراء" میں ہوا۔ حضور کی دمشق میں آمد کی وجہ سے علماء و مشائخ میں خاص چرچا تھا۔ مقامی پریس نے غیر معمولی رنگ میں اس قافلے کا ذکر کیا۔ عوام و خواص میں اس کا پروپیگنڈا ہوا۔ چنانچہ دمشق کے کئی علماء و مشائخ نے اس ہوٹل میں آکر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقات کی۔ علماء کے وفد کے رئیس الاستاذ الشیخ عبد القادر المغربی مرحوم نے جو دمشق کی عرب اکیڈیمی کے نائب پریذیڈنٹ تھے اور ان کا شمار دمشق کے جلیل القدر علماء میں ہوتا تھا۔ علامہ المغربی مرحوم نے متعدد مرتبہ اس امر کا ذکر کیا کہ اس قافلہ میں ایک عالم تھے جو اعمٰی یعنی نابینا تھے اور وہ صاحب العُوَینات یعنی اپنی آنکھوں پر بڑی بڑی عینکیں لگائے ہوئے تھے۔ آپ غیر معمولی لیاقت کے عالم تھے۔ "صاحب الذاکرۃ القویۃ" آپ کی یادداشت اور قوتِ حافظہ بڑی زبردست تھی۔ آپ کا عربی تلفظ اور مخارج الحروف انتہائی درست تھے۔ آپ کو عربی اشعار بہت یاد تھے۔

جب علماء دمشق نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم کو بانیٔ احمدیت حضرت مرزا غلام احمد القادیانیؑ کی عربی کتب کا کوئی حصہ سنایا جائے تو حضرت حافظ صاحب مرحومؓ نے خطبہ الہامیہ ان کو سنانا شروع کر دیا جو حافظ صاحبؓ کو ازبر تھا۔ الغرض آج تک دمشق کے کئی علماء حضرت حافظ صاحبؓ کی مدح و توصیف میں رطب اللسان اس عاجز نے دیکھے۔ دمشق کے کئی علماء سے حضرت حافظ صاحبؓ کے متعلق ایسے کلمات سنے جن کا تعلق آپ کے وسیع علم سے تھا۔

ایک عربی شاعر نے کہا ہے ؎

الناس صنفان موتیٰ فی حیاتھم
وآخرون ببطن الارض احیاءٗ

یعنی دنیا میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک تو زندہ ہیں مگر وہ حقیقت میں مُردہ ہیں اور دوسرے زمین کے اندر دفن ہیں مگر وہ اپنے فیوض، برکات اور نیک نمونہ کے لحاظ سے زندہ ہیں۔

حضرت حافظ صاحب مرحومؓ حیاتِ جاوید کے وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت حافظ صاحب مرحوم کے درجات کو زیادہ سے زیادہ بلند فرمائے۔ آمین ✦

حضرت حافظ روشن علی رضی اللہ عنہ کی بے لوث خدمتِ دین

(جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب - ربوہ)

حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم جماعت احمدیہ کے جید علماء میں سے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ آپ عالم باعمل تھے جس چیز نے آپ کی ذات کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ آپ ہر وقت تعلیم و تدریس اور اشاعتِ حق میں منہمک رہتے تھے۔ مشکل سے مشکل عقدوں کو آپ قرآن مجید کی روشنی میں بڑی آسانی اور بغیر کسی الجھن سے حل کر دیتے تھے۔ جب بھی آپ کو خدمتِ دین کے لئے کہیں سے بلاوا آتا تو آپ وہاں بڑی خوشی سے تشریف لے جاتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم نے آپ کو لاہور چھاؤنی میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ پر تقریر کے لئے بلوایا تو آپ نے صدر بازار میں رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ پر ایک عالمانہ تقریر فرمائی۔ یہ جلسہ وہاں کے ایک ہندو رئیس کے مکان کے سامنے ہوا تھا۔ اس ہندو رئیس کا یہ شریفانہ برتاؤ مجھے ابھی تک یاد ہے۔ اس جلسہ کا حاضرین خصوصاً غیر مسلم اصحاب پر بہت اچھا اثر ہوا۔

غرضیکہ حضرت حافظ صاحب مرحوم کے لیل و نہار خدمتِ دین میں اسی طرح گزرتے تھے۔ آپ اکثر جوش سے احبابِ جماعت کو توجہ دلاتے کہ جب تک تم دیوانہ وار تبلیغ میں اس طرح نہیں لگ جاتے کہ ہر طرف تمہاری مخالفت ہی مخالفت ہو اور لوگ تم پر گوبر کے گوٹے کی ٹوکریاں نہیں پھینکتے تب تک احمدیت ترقی نہیں کر سکتی۔ سبحان اللہ صداقت کی اشاعت کے لئے آپ میں کس قدر ولولہ تھا۔ یقیناً دینی جماعتیں اسی ایمانی جوش سے ترقی کیا کرتی ہیں۔

فقہی مسائل میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یدِ طولیٰ عطا فرمایا تھا۔ فقہ احمدیہ کا پہلا حصہ آپ کا ہی تصنیف کردہ ہے۔ کاش آپ کا کوئی شاگرد رشید اس کی تکمیل کر دے۔

باوجود اس تبحر علمی کے آپ میں کسی قسم کا تصنع نہ تھا۔ لباس بہت سادہ پہنتے اور ہر ایک سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

صادق القول علامہ روشن علی رضی اللہ عنہ

(از جناب شیخ عبد الحکیم صاحب شملوی - راولپنڈی)

حضرت علامہ روشن علی مرحوم رضی اللہ عنہ کو ہم سے جدا ہوئے برسوں گزر گئے لیکن آپ کی یاد ابتک ہمیں آنسو رلاتی ہے۔ آپ دورِ حاضر کے ایک جید عالم تھے اور دنیائے اسلام کے ایک عالم بے بدل۔ آپ کا حافظہ بے نظیر تھا۔ میں ۱۹۱۹ء میں شملہ میں مقیم تھا۔ حافظ صاحب شملہ تشریف لائے۔ ان ایام میں لاہوری اختلاف زوروں پر تھا تقریباً روزانہ ہی کوئی نہ کوئی مباحثہ ہوتا جس میں حافظ صاحب رضی اللہ عنہ حصہ لیتے۔ انہی ایام میں مجھے پولیٹیکل محکمہ کی طرف سے بحرین کے لئے ایک ملازمت کی پیشکش ہوئی جس میں لکھا تھا کہ کچھ وقفہ کے بعد آپ کو افسری لائن میں ترقی دے دی جائے گی۔ میں پہلے بھی بصرہ میں اسی محکمہ میں دو سال گزار کر آیا تھا۔ میں نے اس ملازمت کا حافظ صاحب سے ذکر کیا اور اجازت چاہی

کو منظور کر لوں یا انکار کر دوں۔ آپ نے فرمایا آپ نئے نئے احمدی ہوئے ہیں آپ احمدیت کا مطالعہ کریں۔ افسری تو خدا چاہیگا تو یہاں ہندوستان ہی میں دے دیگا لیکن باہر چلے جانے سے ایسا نہ ہو آپ احمدیت میں کمزور رہ جاویں۔ چنانچہ میں نے انکار کر دیا لیکن محکمہ نے پھر دوبارہ طلب کیا کہ ہم آپکو جلد ترقی دینگے۔ چنانچہ دوبارہ مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ شیخ صاحب! آپ صبر کریں اللہ تعالیٰ آپکو یہاں ہی ترقی دیگا۔ چنانچہ آپ کے وہ الفاظ اس کے بعد پورے ہوئے اور خدا تعالےٰ نے مجھے ہندوستان میں ہی کلاس اول آفیسر کے عہدہ پر پہنچا دیا۔

پھر ۱۹۲۶ء کا واقعہ ہے میں انبالہ چھاؤنی میں مقیم تھا۔ اطلاع ملی کہ قادیان سے برات کلکتہ جا رہی ہے۔ حافظ صاحبؓ بھی برات کے ہمراہ تھے۔ میں نے سٹیشن پر برات کے کھانے کا بندوبست کیا تھا۔ حافظ صاحبؓ کو میں نے ازراہ مذاق کہا کہ آپ اتنی دور برات لے جا رہے ہیں۔ تو مجھے فرمایا۔ آپ گھبرائیں نہیں وہ دن آتا ہے کہ آپ کو یورپ براتیں لیجانی پڑیں گی۔ آپ کا یہ قول میرے گھر میں بھی پورا ہو گیا۔ میرے لڑکے عبدالشکور کی شادی سویڈن کے شہر جالو کے ایک معزز خاندان میں ہوئی اور میرے گھر میں سویڈن کی دلہن بیاہی ہوئی آئی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے منہ سے نکلے ہوئے یہ دونوں قول پورے کئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک ۔

عبدالکریم ثانیؓ

(از جناب چودھری محمد شریف صاحب سابق مبلغ فلسطین)

حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ ۱۹۰۰ء میں قادیان دارالامان میں تشریف لائے۔ بوقت وفات آپ کی عمر ۴۸ سال کے قریب تھی۔ میں نے حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کو ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۹ء تک تقریباً گیارہ سال دیکھا۔

سیر و تفریح کے وقت آپ غیر معمولی ہشاش بشاش ہوتے تھے۔ تتلیاں والی نہر پر (جو قادیان سے دو اڑھائی میل جانب مغرب واقع ہے) جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور سکولوں کے طلباء اور اہل قادیان موسم گرما میں ہر ماہ کے آخر میں ٹرپ کے لئے جایا کرتے تو حضرت حافظ صاحبؓ بھی تیرنے والوں اور پانی میں فٹ بال کا میچ کھیلنے والوں میں نمایاں نظر آیا کرتے تھے۔

آپ کا منقولی علم بھی اس قدر وسیع تھا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہ فینا ۱۹۲۴ء میں سفر یورپ پر تشریف لے گئے تو آپ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ حافظ صاحبؓ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ کیا میں کتابوں کی الماریاں ساتھ اٹھا کر لے جاؤں۔ یا ان کی بجائے صرف ایک آدمی کو ساتھ لے جاؤں جو بوقت ضرورت ان کا کام دے؟

جب حضرت حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ:۔

"حافظ صاحب مولوی عبدالکریم ثانی تھے"

(الفضل مورخہ ۲۸ جون ۱۹۲۹ء)

نور کاجل
آنکھوں کی جملہ بیماریوں کے لئے بے نظیر تحفہ

یہ قیمتی کتب ـــــــ جلدی خرید لیجئے

۱۔ **تفسیر صغیر** سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے قرآن مجید کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ اور جہاں جہاں شرح کی ضرورت تھی مختصر شرح کی ہے۔ قرآن مجید کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ ہدیہ ایک جلد میں ۱۸/- روپے اور دو جلدوں میں ۲۰/- روپے۔

۲۔ **بخاری شریف جزء سوم** ۔ بخاری شریف کا ترجمہ اور شرح مکرم و محترم جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کر رہے ہیں۔ پہلے دو جزء قادیان میں طبع ہوئے تھے اب تیسرا جزء ادارۃ المصنفین نے شائع کیا ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ ہے۔ مجلد قیمت ۳ روپے۔

۳۔ **تاریخ احمدیت** حصہ اول و دوم ۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے واقعات و حالات سے ہر احمدی کا واقف ہونا ضروری ہے۔ اس غرض کے لئے تاریخ احمدیت لکھی گئی ہے۔ اس وقت تک دو جلدیں طبع ہوئی ہیں جلد اول کی قیمت چار روپے ہے اور جلد دوم کی قیمت پانچ روپے ہے۔ کتاب کو قیمتی تصاویر سے مزین کیا گیا اور ہر دو کتب مجلد ہیں۔

قیمت جلد اول چار روپے ـــــــ اور جزء دوم پانچ روپے

۴۔ **المبشرات** ۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے پورے ہونے والے الہامات کشوف کا مجموعہ۔ خود بھی زیادتیٔ ایمان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے اور غیر از جماعت دوستوں کو بھی بطور تحفہ دینے کے قابل ہے۔ قیمت مجلد پانچ روپے۔

۵۔ **ہدایۃ المقتصد** ۔ نکاح و طلاق وغیرہ کے وہ مسائل جن کا جاننا ہر مرد و عورت کے لئے ضروری ہے شائع کئے گئے ہیں اور بدایۃ المجتہد جو فقہ کی بہت مشہور اور مستند کتاب ہے۔ اس میں سے ایک حصہ کا ترجمہ اردو میں مع قیمتی نوٹوں کے کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد چار روپے۔

یہ سب کتب **جلسہ سالانہ** کے ایام میں جملہ دوکانداروں سے مل سکیں گی۔ ان کو خرید یئے۔ ورنہ پھر لمبا انتظار کرنا پڑے گا۔

ادارۃ المصنفین۔ ربوہ۔ ضلع جھنگ

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کا آخری پیغام

اپنے شاگردوں کے نام

"میرے شاگرد ہمیشہ تبلیغ کرتے رہیں"

[عنوان بالا سے مندرجہ ذیل نوٹ مَیں نے اپنے محسن استاد حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کی وفات کے دوسرے دن یعنی ۲۴ جون ۱۹۲۹ء کو لکھا تھا جو الفضل ۲۸ جون ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ گویا آج اس نوٹ پر ساڑھے اکتیس برس بیت چکے ہیں ——— (ابو العطاء)]

"آہ! آج احمدیت کا بہت بڑا درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا اور ہزاروں لاکھوں قلوب کو وقفِ الم بنا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ حضرت حافظ صاحبؓ کی رحلت سے ہر شخص کو اس کی معرفت کے مطابق صدمہ ہوا ہے۔ وہ لوگ جن کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور جنہوں نے آپ کی محبت بھری شاگردی میں چند ایام بھی بسر کئے ہیں وہ اس ناقابلِ برداشت جُدائی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ اپنے شاگردوں کے لئے نہ صرف بہترین معلّم تھے بلکہ نہایت ہمدرد اور شفیق باپ بھی تھے۔ شاگردوں کی کوئی ضرورت ایسی نہ ہوتی تھی جس کے پورا کرنے میں آپ کوشاں نہ ہوں۔ بایں ہمہ کمال یہ تھا کہ کبھی اپنے استاد ہونے کا خیال تک نہ آیا۔ آپ کا تقویٰ للّٰہی خلوص اور شوقِ جہاد کا اثر تھا کہ ہر طالب علم سوجان سے آپ پر نثار ہوتا تھا۔ ایامِ مرض میں بھی آپ نے اپنے ان نونہال پودوں کو اپنی تربیت کے ذریعہ نشوونما بخشا اور ان کے سامنے اعلیٰ اخلاق کا اُسوۂ حسنہ پیش کیا۔ آپ کی صحبتِ زرّیں کے گوہر بے بہا میں سے کچھ کسی دوسرے وقت عرض کروں گا۔ انشاء اللہ۔

فی الحال میں آپ کے شاگردوں کو جہاں اس صدمۂ جانکاہ سے اطلاع دیتا ہوں وہاں انہیں حضرت حافظ صاحبؓ کا آخری پیغام بھی پہنچاتا ہوں۔ آپ نے وفات سے قبل بطور وصیّت اپنے شاگردوں سے ارشاد فرمایا۔

"میرے شاگرد ہمیشہ تبلیغ کرتے رہیں۔"

میرے نزدیک آپ کے جملہ متعلّمین کے لئے یہ عمر بھر کا نصب العین ہے۔ تبلیغ کا فرض ہر احمدی کے ذمہ ہے اہلِ علم پر اس کی دوہری ذمہ داری ہے لیکن حضرت حافظ صاحبؓ جیسے عاشقِ تبلیغ کے شاگردوں کے لئے تو دوسرا کوئی میدان ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ پس مَیں اپنے سب بھائیوں سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے انتہائی خیر خواہ استاد کی آخری وصیّت کو پورا کریں۔ میری تجویز ہے کہ حضرت حافظ صاحبؓ کی کوئی تبلیغی یادگار ہونی ضروری ہے خواہ بصورت رسالہ ہو یا بصورت لائبریری۔ اور اس یادگار کو قائم رکھنے کے لئے آپ کے شاگردوں کے کندھوں پر اہم ذمہ داری ہے۔ جو دوست میری تجویز سے اتفاق رکھتے ہوں وہ اس کی اطلاع دیں اور اس کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائیں۔ دوسرے دوست بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔

خاکسار دلفگار

اللہ دتہ جالندھری قادیان ۲۴ جون ۱۹۲۹ء"

رسالہ الفرقان کی مستقل خریداری

"ہم خرما وہم ثواب"

۱۹۵۵ء کے جلسہ سالانہ پر رسالہ الفرقان کے متعلق حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ:-

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس چالیس ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔"
(الفضل ۱۷ر جنوری ۱۹۵۶ء)

۱۹۵۹ء میں حضرت میرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا:-

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابل قدر رسالہ ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے فضائل اور اسلام کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔"
(الفضل ۱۰ر جولائی ۱۹۵۹ء)

احباب کرام! آپ کا فرض ہے کہ آپ خود بھی رسالہ کے خریدار بنیں اور اپنے حلقۂ اثر میں اس کے خریدار پیدا فرمائیں۔ رسالہ کا سالانہ چندہ صرف چھ روپے ہے۔ جو دوست دس سال کے لئے مستقل خریدار بن جائیں۔ انہیں دس سال کا چندہ ساٹھ کی بجائے صرف پچاس روپے ادا کرنا پڑتا ہے۔ نیز رسالہ کی طرف سے ان کے نام ماہ جنوری ۱۹۶۱ء سے پورے دس سال کے لئے ہر ماہ تحریک دعا کے طور پر شائع ہوتے رہیں گے۔ علاوہ ازیں وی۔پی وغیرہ کی پریشانی سے اور زائد خرچ سے بھی بچ جائیں گے۔ یہ "ہم خرما وہم ثواب" والی بات ہے۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۰ء تک پچاس روپے ادا کرنے والوں کے نام اس فہرست میں دس سال تک شائع ہوتے رہیں گے۔ جس میں پہلا نام سیدی حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کا ہے۔

پس آپ الفرقان ایسے تبلیغی رسالہ کی سرپرستی فرمائیں، یا کم از کم ایک سال کے لئے خریدار بن کر تجربہ ہی کر لیں۔
جلسہ سالانہ کے موقع پر دفتر الفرقان گولبازار ربوہ میں تشریف لائیں

یا

رقم چندہ مینیجر الفرقان ربوہ کے نام پر ارسال فرمائیں!

جزاکم اللہ احسن الجزاء
خاکسار ابو العطاء جالندھری
ایڈیٹر رسالہ الفرقان ربوہ

(طابع وناشر: ابو العطاء جالندھری ٭ مطبع ضیاء الاسلام ربوہ ٭ مقام اشاعت: دفتر الفرقان [illegible] ربوہ۔ پاکستان)